اُردو نثر کی داستان

قسط ۸

ہر ماہ کی یکم تاریخ کو

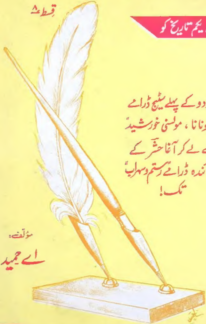

اُردو کے پہلے سٹیج ڈرامے
"سونا نا ، مولسنی خورشید"
سے لے کر آغا حشر کے
نمائندہ ڈرامے "رستم وسہراب"
تک!

مؤلف:
اے حمید

۸
روشن کتابیں

مطبوعات شیخ غلام علی، اُدبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

اُردو ادب کے شائقین کے لیے روشن کتابوں کی
ایک خصوصی پیشکش

اُردو نثر کی داستان قسط ۸

اُردو کے پہلے سٹیج ڈرامے
"سونانا، مولسنی خورشید"
سے لے کر
آغا حشر کے نمائندہ ڈرامے
"رستم و سہراب"
تک

⁂

مؤلف
اے حمید

مطبوعات شیخ غلام علی
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

دُنیا کی ہر قومی اور علاقائی
زبان کی روشن کتابوں کا انتخاب

نگران : شیخ نیاز احمد
مُدیرِ مسئول : ارشد نیاز
مُدیر : رب نواز ملک

مجلسِ مشاورت :
اے حمید - ایم - ایس ناز
محمد حنیف شاہد - عینکاف خالد

آرٹ : سلیم اختر

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پبلشرز، لاہور

ادارہ :
مطبوعات شیخ غلام علی
ادبی مارکیٹ، چوک، انار کلی، لاہور
فون نمبر :
۵۷۹۰۸ ۶۱۸۵۹ ۲۱۳۰۲۰

تار :
کتاب مین (KITABMAN) لاہور

اُردو ڈرامے کی ابتدا

'اُردو نثر کی داستان' قسط ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی روشنی میں اُردو ادب کا جائزہ لیا گیا تھا۔ اور اس دَور کو اُردو نثر کے انقلابی دَور کا نام دیا گیا تھا۔ اس وقت ہم سٹیج ڈراموں کے بارے میں گراں قدر معلومات یکجا کر رہے ہیں۔ سٹیج ڈرامے کی ابتدا کب اور کہاں سے ہوئی؟ اس ضمن میں جناب اے حمید نے کافی تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ جب پارسی برصغیر میں آئے تو اپنی محنت اور لگن کے باعث بمبئی کے پورے علاقے پر چھا گئے۔ پارسیوں میں ڈرامے کا شوق تھا وہ جہاں رات کو اکٹھے مل بیٹھتے کسی نہ کسی کھیل کی باتیں کرتے۔ ان کی اپنی مذہبی کتابوں میں وسطی ایشیا کے بعض بادشاہوں کے بڑے بڑے ڈرامائی حالات درج تھے۔ یہ ایک ڈرامے کی تحریک تھی جس کا زیادہ تر واسطہ ایسے پارسی نوجوانوں سے تھا جو محض اپنا شوق پورا کرنے کے لیے ڈرامے میں شرکت کرتے تھے۔ یہ لوگ دن بھر تو اپنے دھندوں میں لگے رہتے اور رات کو ڈرامے کا شوق انھیں ایک جگہ جمع کر دیتا۔ یہ ان کی تفریح تھی جو بعد میں ایک تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔ اس تحریک میں پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ حضرات کی اکثریت تھی۔ بعض ایسے لوگ بھی تھے جو سیاسی طور پر اس تحریک کے لیے بے حد مفید ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ڈرامے کی پہلی کلب ۱۸۵۲ء "پارسی ناٹک منڈلی" کے نام سے قائم ہوئی۔ یہ کلب پندرہ برس تک اِس میدان میں کام کرتی رہی۔ اس کے بعد متواتر اس قسم کی کلبیں وقوع پذیر ہوتی رہیں۔ اور یوں اُردو ڈرامہ ایک واضح شکل میں سامنے آیا۔

اِس قسط میں اُردو کے پہلے سٹیج ڈرامے سونا نا، مولسنی خورشید سے لے کر آغا حشرؔ کے نمائندہ ڈرامے "رستم و سہراب" تک کا جائزہ لیا گیا ہے۔

قارئین! 'اُردو نثر کی داستان' کے ساتھ ہی آج مُلک کے منفرد مزاح نگار جناب سیّد ضمیر جعفری کی ایک خوبصورت کتاب "اُڑتے ہُوئے خاکے" بھی پیش کی جا رہی ہے۔ اِس کتاب میں نہایت شگفتہ اور دِلرُبا انداز میں مختلف شخصیتوں کے قلمی خاکے تحریر کیے گئے ہیں۔ ضمیرؔ جعفری کے قلم کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ وہ اپنی تحریر میں تصنع کا شائبہ تک نہیں چھوڑتے۔ وہ کثیف اور لحیم و شحیم جُملوں سے ہٹ کر ظرافت کے جام چھلکاتے ہیں۔ یہ کتاب پڑھیے! بہار کے موسم میں دِل باغ و بہار نہ ہو تو ہمارا ذمّہ!!

نیاز احمد

اردو ڈرامے کی ابتدا

پارسیوں کی برصغیر میں آمد

مسلمانوں کے لشکر جب ایران کی سرحدوں میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو انہوں نے ایرانیوں کے ساتھ اپنے ذاتی انداز میں عدل و انصاف کا سلوک کیا۔ مسلمانوں کے اخلاق اور کردار سے متاثر ہو کر آتش پرست ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمان ہو گئے۔ لیکن کچھ آتش پرست ایسے تھے جو اپنے آبا و اجداد کا مذہب چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے اگرچہ وہ مسلمانوں کے حسن سلوک سے بہت متاثر تھے۔ ان کی روایت پرستی اور قدامت نوازی نے انہیں اجازت نہ دی کہ وہ اپنے آبا کا مذہب چھوڑ کر ایک نئے مذہب کی آغوش میں چلے جائیں چنانچہ وہ ایران سے ہجرت کر گئے۔ ایران چھوڑنے کے بعد وہ برصغیر پاک و ہند میں آ گئے اور اس ملک کے شمال مغربی ساحل پر آ کر آباد ہو گئے۔ یہاں انہوں نے گجرات کاٹھیاواڑ میں اپنے ڈیرے جمائے اور اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ صدیوں تک یہ پارسی لوگ گجرات کاٹھیاواڑ ہی میں زندگی بسر کرتے رہے اس زمانے میں یہ لوگ چھوٹا موٹا کام کر کے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ زیادہ تر کاروبار یہاں کے مقامی باشندوں کے ہاتھ میں تھا۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ مغل عہد میں انگریز ہندوستان آئے اور کچھ عرصہ گزرنے پر انہوں نے مغل شہنشاہ سے خصوصی مراعات حاصل کر کے عبار اشہر کے علاقے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے ایک کاروباری منڈی قائم کر لی۔ پارسی بڑے محنتی، ایماندار اور دور اندیش تھے انہوں نے انگریزوں کی دعوت پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے دفاتر میں کام شروع کر دیا۔ علاوہ ازیں وہ ان کے ساتھ کاروبار بھی کرنے لگے۔ بمبئی شہر اور اس کے قرب و جوار میں پارسیوں نے رفتہ رفتہ اپنی جائیدادیں بنانی شروع کر دیں۔ اپنی محنت، لگن اور دیانت داری سے یہ قوم بمبئی کے علاقے میں چھا گئی۔ اس شہر کی آب و ہوا بھی انہیں خوب راس آئی چنانچہ انہوں نے اس شہر کو اپنا وطن ثانی بنا لیا۔

لیفٹیننٹ کرنل ایچ اے نیول اپنی کتاب "بمبئی" میں مسز پوسٹنز کے حوالے سے لکھتے ہیں (یہ خاتون ۱۸۳۸ء میں بمبئی میں تھیں)

"بمبئی کی شاندار اشیاء میں سے یہاں کی بندرگاہ اور اس بندرگاہ کے ساتھ ساتھ بنے ہوئے گودام ہیں۔ یہ گودام بڑے کشادہ ہیں اور بہترین پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے بنائے گئے ہیں۔ ان گوداموں کو پارسی معماروں نے تعمیر کیا ہے۔ اب ان پارسی معماروں میں سے اکثر اپنی محنت اور دیانت کی بدولت ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے ملکہ کے جہاز بنانے والے بن چکے ہیں۔"

پارسی ڈرامہ

وزارت اطلاعات و نشریات (بھارت) کی جانب سے شائع شدہ کتاب "ہندوستانی ڈراما" کی طبع دوم کے صفحہ ۵۷ - ۵۸ پر لکھا ہے۔

"پارسیوں میں ڈرامے کا شوق تھا۔ وہ جہاں رات کو اکٹھے مل بیٹھتے کسی نہ کسی کھیل کی باتیں کرتے۔ ان کی اپنی مذہبی کتابوں میں وسطی ایشیا کے بعض بادشاہوں کے بڑے بڑے ڈرامائی حالات درج تھے۔ وہ ان واقعات سے متاثر تھے اور ہندوستان کی کلاسیکی روایات سے بھی انہوں نے اثر لیا تھا۔ یہ ایک ڈرامے کی تحریک تھی جس کا زیادہ تر واسطہ ایسے پارسی نوجوانوں سے تھا جو محض اپنا شوق پورا کرنے کے لئے ڈرامے میں شرکت کرتے تھے یہ لوگ دن بھر تو اپنے کام دھندوں میں لگے رہتے اور رات کو ڈرامے کا شوق انہیں ایک جگہ جمع کر دیتا۔ یہ ان کی تفریح تھی جو بعد میں ایک تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ ان میں سے وہ لوگ جو اخلاقی اور مادی اعتبار سے اس تحریک کی مدد کر سکتے تھے ان کی تعداد زیادہ تر تعلیم یافتہ حضرات پر مشتمل تھی۔ اور بعض ایسے بھی تھے جو سیاسی طور پر بھی ذی اثر ازنی تھے مثلاً دادا بھائی نوروجی جو ہندوستان میں ہوم رول کی تحریک کا بانی تھا ہندوستان میں ڈرامے کی پہلی کلب کی جو مجلس مشاورت تھی اس کا ممبر تھا۔

ڈرامے کی پہلی کلب ۱۸۵۲ء میں پارسی ناٹک منڈلی کے نام سے قائم ہوئی۔ یہ کلب پندرہ برس تک اس میدان میں کام کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد دوسری اسی قسم کی کلبیں بھی وقوع پذیر ہوئیں۔"

سید امتیاز علی تاج ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"الفنسٹن ناٹک منڈلی بمبئی کی پرانی اور نامور ناٹک منڈلی تھی۔ پہلے پہل اسے الفنسٹن ڈرامیٹک کلب کے نام سے قائم کیا گیا۔ اسے سی۔ ایس۔ ناظر نے بیرجی کھمباتا اور تھیٹر کے بعض دوسرے احباب کے ساتھ مل کر قائم کیا تھا۔ رفتہ رفتہ شوقیہ کام کرنے والوں کی اس کلب نے مختلف تماشے دکھانے والی کمپنی کی صورت اختیار کی۔ اگرچہ یہ کلب ابتدا میں صرف شوقیہ کام کرنے والے فن کاروں کی تھی۔ لیکن اس نے بمبئی میں تھیٹر کے فن کو زندہ رکھنے کے لئے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ شیکسپیئر کے کئی ڈرامے بہت شاندار انداز میں پیش کئے اور تماشائیوں سے بے حد داد وصول کی۔ علاوہ ازیں بعض دوسری ڈرامہ کلبیں بھی تھیں جنہیں پارسیوں نے چلایا۔

ان ہی پارسیوں میں ایک شخص کیخسرو نادر جی کابراجی قابل ذکر ڈرامانگار، شاعر اور موسیقی دان تھا۔ اس شخص کی رائے دانشوروں کے نزدیک وزن رکھتی تھی۔ اس نے تاریخ ایران میں سے ڈرامے اخذ کر کے گجراتی ڈرامے کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر دیا۔ اس کا پہلا ڈرامہ "بیژن و منیژہ" تھا جس نے بے حد شہرت حاصل کی۔"

کتاب "ہندوستانی ڈرامہ" کا مؤلف لکھتا ہے کہ۔

"گجراتی ڈرامے کے ابتدائی بانیوں میں سے ایڈل جی جے کھوری ابھی تک بقید حیات ہیں (یہ اطلاع ۱۹۴۰ء کی تھی)"

ایڈل جی جے کھوری ایک لائق بیرسٹر تھے اور کیخسرو نادر جی سے ان کی بڑی دوستی تھی۔ انہوں نے شروع شروع میں مزاحیہ کھیل لکھے۔ ایک صاحب سہراب جی ناظر تھے انہیں ڈرامے سے دیوانہ وار محبت تھی۔ یہ صاحب بعد میں الفنسٹن ڈراما کلب کے مالک بھی ہو گئے تھے۔

اردو کھیل کا آغاز

کوروجی سہراب جی ناظر پہلا شخص ہے جس نے برصغیر پاک و ہند میں اردو کھیل کی بے پناہ خدمات سرانجام دیں۔ یہ انگریزی اور گجراتی ڈراموں کی بھی خدمت بڑی لگن اور لگاؤ سے کرتے رہے۔ سہراب جی ناظر کا ڈرامے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ ڈاکٹر نامی اپنی کتاب میں کوروجی سہراب جی ناظر کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"ایک صاحب کوروجی سہراب جی ناظر تھے جو ڈرامے کے فن سے دلی لگاؤ رکھتے تھے۔ ان کا یہ شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ کالج کے بعد وہ اپنے گھر پر بھی ریہرسلیں کرتے اور ڈرامے تیار کرتے تھے۔ انہوں نے پارسی الفنسٹن ڈرامیٹک کلب کے نام سے ایک بورڈ اپنے گھر پر بھی لگا رکھا تھا۔ جو دھوبی تلاؤ میں واقع تھا وہ خود اس کے ڈائریکٹر اور ممبر تھے۔ ان کے دوست اس سلسلے میں ان کی ہر طرح سے مدد کرتے تھے۔ اس کلب نے کئی ایک انگریزی ڈرامے سٹیج کئے۔"

بقول سید امتیاز علی تاج حوالہ دیباچہ "بمبئی کا ابتدائی اردو ڈراما"۔

"اردو ڈرامے کے اصل محسن دادا بھائی سہراب جی پٹیل تھے جو عام طور پر دادی

پٹیل کہلاتے تھے۔ وہ ایک نامور و متمول سوداگر سہراب جی فریدوں جی پٹیل کے بیٹے تھے۔ ایم اے تک تعلیم حاصل کی تھی۔ ڈرامے میں بے حد دلچسپی رکھتے تھے۔ چنانچہ کالج کی تعلیم کے دوران میں کئی بار انگریزی ڈراموں میں پارٹ بھی کرتے۔ انگلستان کا سفر بھی کرچکے تھے۔ بمبئی اس زمانے میں ڈرامے کے شائقین کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا تفریح کی تفریح تھی، کاروبار کا کاروبار۔ چنانچہ دادی پٹیل بھی کمر ہمت کس کر میدان میں اتر آئے۔ بمبئی کے ایرانیوں نے ایک پرشین ناٹک منڈلی بنائی تھی۔ دادی پٹیل اس کے ڈائریکٹر بن گئے۔ ۱۸۷۰ء میں پہلے "رستم و سہراب" اور پھر "رستم برجو" فارسی میں پیش کیا پھر دلچسپی کے کسی بڑے سے زیادہ بڑے میدان کی تلاش ہوئی۔ بمبئی کے شوقیہ کام کرنے والے پارسیوں نے گجراتی کھیل پیش کرنے کے لئے "کرت شالا نتاپک منڈلی" نام کی ایک کلب بنا رکھی تھی۔ اس کے معاملات کی دیکھ بھال کے لئے جو کمیٹی قائم کر رکھی تھی اسی نے ۱۸۷۶ء میں اس منڈلی کا نام بدل کر وکٹوریہ ناٹک منڈلی رکھ دیا۔ (اردو تھیٹر جلد اول۔ صفحہ ۲۶۳)

بعد میں دادی پٹیل اس ڈرامٹک کلب کے مالک بن گئے۔ اب انہوں نے فیصلہ کیا کہ بمبئی میں انگریزی اور گجراتی کے ساتھ اردو زبان میں بھی کھیل پیش کئے جائیں اس سلسلے میں جہانگیر پیسٹن جی کھمباتا لکھتے ہیں۔ "اس سے پہلے جو ڈرامے پیش کئے جاتے تھے وہ انگریزی مراٹھی بنگالی یا گجراتی زبان کے ہوتے اور انہیں دیکھنے کے لئے صرف پارسی، مرہٹے اور انگریز آتے تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں ڈرامہ دیکھنے کا شوق بالکل نہ تھا۔ آنجہانی دادا بھائی سہراب جی پٹیل ایم اے جو وکٹوریہ ناٹک منڈلی کے ڈائریکٹر تھے۔ انہوں نے منڈلی کے مالکوں کو مشورہ دیا کہ وہ ایک ڈرامہ اردو زبان میں پیش کرنے کا تجربہ کریں۔ مگر یہ مشورہ مالکوں کو پسند نہ آیا کیونکہ اس وقت کے تمام ایکٹر پارسی تھے اور وہ اردو نہ بول سکتے تھے۔ مگر ان رکاوٹوں کے باوجود سیٹھ دادا بھائی نے ہمت نہ ہاری اور اپنے خاص دوست مسٹر ایڈل جی جمشید جی کھوری کو جو گجراتی کے ڈرامانویس تھے مشورہ دیا کہ وہ ایک ڈرامہ اردو زبان میں بھی لکھیں مسٹر کھوری اردو زبان میں ڈرامہ نہ لکھ سکے لیکن انہوں نے دادا بھائی کے لئے "کاما دیتی" نام کے ایک ہندو معاشرتی ناول سے پلاٹ اخذ کرکے "سونا نا مولسی خورشید" نام کا ایک ڈرامہ گجراتی زبان میں لکھ دیا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ اس ڈرامے کا اردو زبان میں ترجمہ کون کرے؟ یہ سوال بڑا مشکل تھا۔ آخر ایک پارسی نے اس کا حل بھی پیش کر دیا۔ انہوں نے یہ فرمائش کی تھی کہ وہ ترجمہ کر دیں گے مگر ان کا نام پوشیدہ رکھا جائے۔ لیکن آج میں ان کے نام کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ وہ عظیم ہستی ہیں جو اردو زبان کے عالم، فارسی زبان کے ماہر اور مشہور ادیب اور بمبئی کے گجراتی اخبار "راست گفتار" کے پہلے مالک سیٹھ بہرام جی فردون جی مرزبان تھے۔ مرزبان کو کھیل اسٹیج پر لانے کا اچھا خاصا تجربہ تھا وہ اس کام میں بہت محنت کرتے اور پوری کوشش فرماتے کہ کھیل کو جس قدر بھی ممکن ہو دلچسپ بنایا جائے۔ چنانچہ بہرام جی مرزبان نے "سونا نا مولسی خورشید" میں جیسی اردو استعمال کی وہ اس سے کہیں زیادہ اوق زبان بھی لکھ سکتے تھے۔ لیکن ایسا کرنے کے لئے انہیں فارسی اور عربی الفاظ استعمال میں لانے پڑتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بمبئی کے پارسیوں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے اس کا سمجھنا مشکل ہو جاتا۔ اس وجہ سے انہوں نے اس کھیل میں روزمرہ کی زبان استعمال کی۔ اس کھیل کے پیش ہوتے ہی ہندوستانی تماشائی اسے دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔

اس کے بعد اردو کھیل پیش کئے جانے لگے۔ اگر پارسی بمبئی میں ڈرامے کا آغاز اور پہلا اردو کھیل پیش کرنے کی جرات نہ کرتے تو شاید آج پورے ہند میں نہ اردو ڈرامے کا چرچا ہوتا اور نہ اردو کھیل اتنے مقبول ہوتے جس حد تک کہ آج ہیں۔"

اب ہم اردو کے پہلے سٹیج ڈرامے کے ترجمے کے پہلے تین ایکٹ پیش کرتے ہیں یہ ایکٹ ہم نے جناب سید امتیاز علی تاج صاحب کی کتاب "بمبئی کا ابتدائی اردو ڈرامہ" میں سے لئے ہیں اور ہم اس کے لئے مجلس ترقی ادب کے شکر گزار ہیں۔ کیونکہ تاج صاحب نے مجلس ترقی ادب کے زیر اہتمام اس کھیل کے اردو ترجمے کو بے حد کاوش اور انتھک تگ و دو کے بعد بمبئی کے ایک صاحب سے حاصل کیا تھا۔

• • •

سونے کے مول
کی
خورشید

ہندوستانی ناٹک
وکٹوریہ ناٹک منڈلی کے لئے گجراتی زبان میں ایڈل جی جمشید جی کھوری نے لکھا۔
اس کے بعد
ایک پارسی صاحب
(سیٹھ بہرام جی فردون جی مرزبان)
نے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا۔ ہندوستانی زبان۔ رسم الخط گجراتی۔

بمبئی

طابع ۔آشکار چھاپ خانہ
ناشر: بہرام فردون جی کمپنی کورٹ بہرام جی۔
ہورم جی سٹریٹ
۶-۱۱-۱۸۷۱ء
قیمت ایک روپیہ

سوتے کے مول کی خورشید

اس قصے خوانوں کی جناب میں یہ قلم جن (مصنف) اپنی طرف سے ظاہر کرتا ہے کہ اول اس کھیل کو ایک آسان زبان گجراتی میں تصنیف کیا تھا۔ اسے اس کمترین نے تھوڑی آرائش اور تبدیلی کے ساتھ ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ سبب اس کا یہ ہے۔ کہ اس شہر میں ناٹک یعنی کھیل بازی کا شوق و خواہش روز بروز افزونی پکڑتا ہے اور ہر قسم کے سینکڑوں لوگ با شوق سے دیکھنے کو جمع ہوتے ہیں۔ یہاں ہر طرح کی قومیں بستی ہیں۔ مگر جو تماشہ کیا جاتا ہے۔ سو فقط پارسی گجراتی زبان میں۔ تو یہ زبان اکثر انگریزوں، مسلمانوں اور ہندوؤں کی سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ اس لئے کئی ایک صاحبوں نے خواہش اس امر کی کی۔ اگر کوئی کھیل ہندوستانی زبان میں کھیلا جائے تو یہاں کے باشندے۔ قوم کو موافق آئے۔ کیونکہ ہندی زبان سارے ہند میں مروج ہے۔ یہ مصلحت بندے کو بھی پسند آئی۔ اور یہ بھی تھا کہ زبان ہندوستانی میں آج تک کوئی کھیل یا ناٹک لکھا گیا۔ دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ بلکہ ہندوستانیوں میں اس کا وجود بھی نہیں ہے

تو پھر اس کھیل کو اپنے حوصلے کے موافق سلیس اور روزمرہ کی ہندی زبان میں۔ تاکہ وہ پارسی اور ہندوؤں کے لئے بھی آسان ہو۔ اور سمجھ میں آئے۔ ترجمہ کیا ہے۔ کیونکہ سخت فارسی عربی عبارت سمجھنا اکثروں کے لئے مشکل ہے۔ میں یہ واضح کردینا چاہتا ہوں، کہ ہندوستانی اس کمترین کی زبان نہیں ہے بلکہ قاعدے وغیرہ کی بھی تعلیم نہیں لی ہے۔ مگر محض دوستوں کی خوشنودی کے لئے اس کمترین نے موافق طاقت اپنی زبان ہندی میں اس کی نقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ تو عبارت ہندی میں اور قواعد میں خامی اور خطا رہی ہوگی۔ اور سبھوں کو آسان ہووے۔ ویسی سلیس عبارت لکھنے کے سبب سے عبارت بھی رنگین۔ سنگین نہیں ہوئی۔ لہذا اس خلاصے کے اس قصے کے سننے اور پڑھنے والوں کی ذات عالی سے امید رکھتا ہوں، کہ کوئی صاحب عبارت اور قاعدے کی ناواقفی کا عیب گیر نہ ہو۔ بلکہ اس سے درگزر کرے۔ اس ناٹک میں اکثر جگہوں پر اردو زبان میں مشہور قصوں۔ جیسا کہ مذہب عشق۔ بدر منیر یوسف و زلیخا۔ گل بہ صنوبر وغیرہ میں سے موافق آئے ہوئے فقروں۔ نکتوں اور اشاروں کی نقل کی ہے، اور اس سوائے تمام غزلوں اور گانے بھی استادوں کی کتابوں میں سے انتخاب کرلئے ہیں۔

تختہ

فتح شاہ۔ دہلی کا بادشاہ۔
ہمایوں شاہ۔ ایک بڑا بادشاہ اور جہاندار کا بھائی۔ (والئی عشرت آباد)
ملک شاہ۔ سندھ کا بادشاہ۔
جہاندار شاہ۔ فیض آباد کا بادشاہ اور ہمایوں کا بھائی۔
فیروز شاہ۔ ظاہر میں سوداگر مگر جہاندار کا بیٹا۔
بہادر خان۔ فیروز کا رفیق اور جہاندار کے وزیر کا بیٹا
جہانگیر اور۔
جہاں بخش۔ دونوں ہمایوں شاہ کے بیٹے۔
ظفر خان۔ فتح شاہ کا کوتوال جو خورشید پر عاشق تھا۔
غازی خان۔ پیچھے سے بابک نام (ملک شاہ کے دربار کا مسخرا اور ایک بڑا چور)
خورشید۔ فتح شاہ کی عورت اور ہمایوں کے ایک بھائی کی لڑکی۔ بعد میں فیروز کی بیوی ہوگئی۔
گل چہر۔ جہاندار شاہ کی بیٹی اور بہادر خان کی معشوقہ۔
مہتاب اور گلفام۔ جہاندار کی چھوٹی بیٹیاں۔
مہرانگیز۔ داسی۔
اس کے علاوہ دوسری داسیاں اور دایائیں۔
افراد۔ لہتوا، وزیر، امیر۔ اور تماشبین وغیرہ۔
مقام۔ دہلی، سندھ (عشرت آباد) اور فیض آباد وغیرہ۔

پہلا باب۔

پردہ پہلا۔

(دہلی میں ایک سنہری تخت کے اوپر دہلی کا بادشاہ فتح شاہ دل گیر دل سے رونق بخش ہوا ہے۔ اور وزیر، امیر، ایلچی، ندیم با ادب بیٹھے ہیں چوبدار کھڑا ہو کر دعاگزاری کرتا ہے اور رامش گر بی شاہ کی تعریف میں یہ گانا گاتی ہیں۔ بادشاہ کا خوش طبع مسخرا، لہتوا زمین پر پالتھی مار کے بیٹھا سر دھنتا ہے۔

گانا

رامشگر ـــ فتح شاہ کی فتح ہوئے گی ضرور
فکر خدا تیری جدا کرے گا ـــ سن مت رہنا مغرور
فتح شاہ
جس کو ضلع دیوے۔ خدا جہاں کا کیا دنیا کی مقدور
فتح شاہ
تقدیر دار دولہا نام تیرا ہے۔ ملک سارے میں مشہور
فتح شاہ
دانا دیدار تیرا بلند دیکھتے ہیں۔ نین میں۔ یہ رست نور
فتح شاہ
ہمت ہارے تیرا دشمن۔ ہوئے گا چار گھڑی میں چکچور
فتح شاہ

فتح شاہ ـــ واہ یہ کیسا معجزہ سرود۔ اور کیسا فرشتائی آواز!
اے وزیر دل پذیر! کیسی عجائبی کہ جب آج مجھے یہ امیروں سے معمور دربار۔ حوروں سے بھرا ہوا زنان خانہ۔ جاودان تنگ زبان کو۔ لذت دینے والا نعمت کا شعر سونا دیا۔ اس چرب زبان لہتوے کا دل پسند سخن بھی مانند زہر قاتل کے لگتے ہیں۔ تب یہ شیریں حلق سے نکلتا ہوا آسمانی سرود خوش حالی کے برسات سے مجھے بھگا ڈالتا ہے۔
کیوں دانشمندو! ایسی ہونے کا باعث کیا ہوگا؟

وزیر ـــ شہ زمان فتح شاہ غازی۔ اس میں عجائبی کچھ نہیں۔ گانا بہ خود کلام الہی ہے۔ فلک پر کا ملک بھی اس سے آزاد نہیں۔ سرود ہر درد کی دوائی اور ہر مرض کی شفائی ہے۔ سرود دیوانوں کو ہوش دیتا ہے۔ پھر اپن تو انسان ہیں تو کیونکر اس سے غم و رنج دور نہ ہووے؟

فتح شاہ ـــ ہوش مند لہتوا! تو بھی کچھ تاویل کرسکتا ہے!

لہتوا ـــ البتہ خداوندا! آپ جو فرماتے ہو۔ اس کا خلاصہ سن لو۔ بندہ کہتا ہے، جب حضرت آدم کے باغ میں ماما حوا پہلے پہل گانے کو بیٹھی۔ تب بادا آدم پہلے سو گیا بڑے بڑے پہاڑوں۔ زمین میں غرق ہوا۔ ہولناک دریا خشک ہوگیا۔ ندیوں میں ریل آئی۔ لہتوا کی دنیا بھی پہلی ہستی ہوئی فتح شاہ کے درباریوں کے کان ایک دم بدھا کر انہوں کو احمق بنا دیا۔ اور خود فتح شاہ خوش حالی کے خمار میں چکنا چور ہوگیا۔ اے شاہ! یوں ہونے کا باعث کیا؟

فتح شاہ۔ (ہنس کر) یہ بے ادب لہتوا کوئی بڑا موذی ہے۔ جو کہ ضعیفی کے زمانے سے اب تک دور ہے، اتنے میں کتنی بک بک لگا رہا ہے۔ تو پھر آخر میں شاید اس کو دیوانگی پیش آئے گی۔
(کوتوال سے) اے ظفر خان کوتوال۔ آج ملک کی کیسی خبر؟

کوتوال ـــ جہاں پناہ! آپ کے بخت کی یاری سے سب خیریت ہے۔ جہاں جاہ و جلال سے جھلکتی اور رعایا آبادانی سے دمکتی ہے۔ بھنی جاگہ امن چین کی چھیل اور روزی کی ریل ہے۔ ظلم و زیادتی کا نام نہیں۔ چوروں کا تو ڈھام نہیں۔ اور لشکر کا کچھ کام

نہیں۔ سب جاگہ کھان پان اور آبادان ہے۔

لبتوا —— کیا پوچھتے ہو آبادان، جا بہ جا دیکھیے تو سب دھوکا ن۔ امن چین کا نہیں آنسا۔ سبھی جگہ ستیاناس۔ گھاس بانس اتھ پتھ ساری۔ دانا دونی کی مارا ماری۔ نہیں کسی کو چین و قرار۔ سبھی جا سبھک مردں کا پکار۔ خوشی کی تو بیٹھی ابھاگ۔ نکلے گھروں سے مرثیے کا راگ۔ روزی کی ریل تو ایسی خوب۔ بیوپار ونج سب جا تا ڈوب۔ چور کہاں سے اوے اودھر۔ خود قاضی کوتوال چھاڑتا ہے گھر۔ انصاف کی تو بلا ہی دور۔ لانچ لونچ میں عدالت چک چور۔ کوتوال قاضی کی بھاری نظر۔ جو طرف دیکھتے ہیں تخشے تر۔ شاہ کے زنانے میں پری پیکر نار۔ بن والی سے روتی زار بہ زار۔ خود شاہ کے محل میں ظلم کا پکار تو سارے شہر میں کہاں سے قرار؟

فتح شاہ —— اے بے شرم لبتو۔ ذرہ اختیار کے گھوڑے کی لگام تنگ رکھ۔ ورنہ زمین پر پڑ کر گر جائے گا۔

لبتوا —— بندے نواز! اگرچہ گدھوں پر عقل کا اسباب نہیں۔ رکھوں۔ اور انہوں کے لمبے کانوں میں اندازے کی کڑی نہ پہناؤں۔ تو پھر ظلم پچھاڑی جھاڑنے میں کچھ عذر منذر ہووے گی۔

کوتوال —— یہ کوئی بڑا ہی شیطان زادہ ہے۔

لبتوا —— سچ ہے دوست۔ مگر شیطان کے ساتھ گدھے ہم سری کرتے نہیں۔ کتابوں میں فرمایا ہے۔ کہ ایک خدا کے ساتھ۔ دوسرا موت کے ساتھ۔ تیسرا شیطان کے ساتھ ہرگز برابری اور ٹھٹھا بازی نہیں کرنا۔ کیونکہ خداوند پاک کی کسی سے مسخری ہو سکتی نہیں۔ موت کی مسخری آدم زاد تو کہاں سے کرے۔ خود موت ہی آدم کی مسخری کرتا ہے اور شیطان تو ایسا گلے پڑ دے کہ جو کوئی مقابل آوے تو اس کے ساتھ بات بھڑنے کو اور تعلیم دینے کو تیار ہووے۔ تو اے کوتوال! تیری عقل کی شکل پر حماقت کی اوڑنیڈیا جو پٹایا ہے۔ اس پر میری ناقص صلاح کا چراغ سلگانے دیجیے تو سب کچھ سفل ہو جاوے گا۔

(ایک قاصد داخل ہوتا ہے)

قاصد —— عالم پناہ شاہ! آپ کے نام آور لشکر نے آپ کے غنیم افغانی کے والی اوپر بڑی فتح ملائی ہے۔ اپنے لشکر نے ہزاروں سپاہی مارے لا بہت سے سردار زمین دوز کیے۔ کئی جنگ جو زنجیر میں جکڑے گئے۔ اور آپ کے بہادروں۔

گانا

لڑے اس طرح سے وہ میدان میں
کہ بہنے لگا خون بیابان میں
زمین خون دشمن سے کی لالہ زار
شمشیروں کا جھلکا جوں سابو پہ تار
جہاں جس کی گردن پہ خنجر دھرا
وہاں خوں کا فوارہ اس سے بہا
لگایا جسے تیر خارا شگاف
ہوا پار سینے سے اس کے وہ صاف

یہ حالت دیکھ۔ دشمن عاجز ہو کر بھاگا۔ کہ اپنی فتح ہوئی۔ غنیم کا بہت خزانہ۔ لشکر اور افغان کے والی کی ایک حور پیکر بیٹی اپنے ہاتھ آئی۔

فتح شاہ —— شکر خدا۔ واہ کیسی خوش خبر۔ گنج کے ساتھ خوبصورت شہزادی ہاتھ آئی۔ جلدی سے وہ نازنین کو یہاں لانا۔

لبتوا —— (دل میں) دیکھو! دل میں یہ خفتہ شیر گوسفند کا سنتے ہی کیسا بھوکا ہو گیا ہے۔ فتح کی بات تو ایک بازو رہ گئی۔ ذرہ سا بھی تو اس کا اثر نہیں۔ زنان خانے میں شاہ کے نام کا جاری کرنے والا ایک بے تقصیر جان باقی تھا سو پورا ہوا۔ رامش گروں!

غزل

شادی جلوۂ گل فام مبارک ہووے
عیش و عشرت کا سرانجام مبارک ہووے
تخت پر تم کو مبارک ہو۔ جہاں میں پھر نا
غیر کو گردش ایام مبارک ہووے
سرو قمری کو مبارک ہو (ق) بلبل کو گل
آپ کو سرو گل اندام مبارک ہووے

(اتنے میں وہ افغانی شہزادی داخل ہوتی ہے)

فتح شاہ —— (شہزادی کو دیکھتے ہی متعجب ہو کر) واہ! کیسی نیک نمانمودار یہ ناری ہے۔

وزیر —— خوبصورتی کی خوش حالی میں کیسی خمار دار ہے۔

لبتوا —— بس سب میں بد دیانت۔ تو بڑی بدکار ہے۔

شہزادی —— (دھتکار سے) گل چھری کے پچھے کے پاس دھندیلا بھنورا گنوار ہے۔

لبتوا —— (اپنے دل میں) اچھا ٹونا لگایا۔ جو جیسے اسی کی موت نہ بچے اس کو کم بختی۔

فتح شاہ —— خواص! یہ نازنین کو لے جاکے شتاب اپنے خاص حرم خانے میں جگہ دے۔

(لے جاتی ہے)

لبتوا —— (اپنے دل میں) آج کم بخت شاہ نے بدل کر نئی جوتی پاؤں میں ڈالی۔ اچھا اسی کو حرم میں جگہ دینا یہ خوبصورتی کا اشارا۔ اس پاکیزہ گوہر لوٹ لے کر خوش حال بیٹھے۔ (بلند آواز سے) بندے نواز! بندے کی جان بخشی ہووے۔ تو بہتر سخن بیان کرنے کی امید رکھتا ہوں۔

فتح شاہ —— اے لبتوا! کچھ ڈر نہ (رکھ) جو بہتر ہو۔ سو کہہ دے۔

لبتوا —— خداوندا! آپ کو کچھ خبر ہے۔ کہ ماہ پیکر شہزادیاں زنان خانے میں آپ کے نام سے روتی ہیں۔ سب ستاروں کی سردار۔ نیک کردار جو ہمایوں شاہ کی بھتیجی خورشید۔ اسی کے ساتھ آپ نے بڑی عاجزی اور منت سے باقول و پیمان شادی کی تھی۔ لیکن آج سات برس ہو گئے۔ تب بھی آپ نے ان کو پھر دیکھی نہیں ہے۔ یہ کیسا ظلم ہے۔ یہ کیسی بے مروتی۔ یہ کیسی ایمانداری اور کیسی چشم پھرائی۔

(اٹھ کے چلا جاتا ہے)

فتح شاہ —— (سر دھن کر) سچ سچ بڑی غفلت ہوئی۔ ایک جواہر بے بہا کو میں نے آج سات برس ہوا غفلت سے ڈال رکھا ہے۔ بیشک۔ وہ خورشید ماہ پارا ہے اس کے مقابلے میں کوئی نازنین اب تک میں نے دیکھی نہیں ہے۔ ایک وقت وہ جان سے بھی عزیز تھی۔ میں ایک کھرے جواہر کو چھوڑ کر فقط بلور کے ٹکڑوں پر راضی رہا۔ یہ میری قصور ہوئی ہے۔

چوب دار! تو زنان خانے کی داہا کو لے کر شتاب اس ماہ پیکر خورشید بیگم کے

پاس جا۔ اور ان کو فرما۔ کہ آج بن عشق کے محل میں رونق بخش ہووے۔ میں بھی اس کی ملاقات کو تیار ہوں۔

(بادشاہ۔ وزیر اور سب مجلس اٹھ کے چلا جاتا ہے)

کوتوال —— (اکیلا) اے جہان کو زحمت دینے والی خورشید۔ تو مجھ سے ایک حشمت دار کوتوال کو اپنی محبت کے دیوان خانے میں کس لیے راہ نہیں دیتی۔ جو بے مہر شاہ تجھ سے بے درکار ہے۔ اس کی گلی میں عبث دوڑتی ہے۔ اور میں جو کھرا طلب گار ہوں۔ تو میرا کچھ بھی تیرے اوپر اثر نہیں۔ تیری خاطر میں نے شاہ کے دو خواجوانوں سرداروں جہاں بخش اور جہانگیر کو دیس نکال کروایا۔ کیوں کہ انہوں نے میرے عشق کی راہ میں پتھر ڈالنے والے تھے۔ تیرے کارن اپنے گھر بار اور شاہ کے دربار میں گاہ بہ گاہ بے حرمت ہوتا ہوں۔ لیکن تو خوشبو دار گل۔ میں غریب بلبل کو اپنا سگندھ دیتا نہیں۔ اے جان بخش! اس ناصبور دل کا لہو جم گیا ہے۔ سو ایک شیریں بوسے کی گرمی سے ذرہ تو پگھلا میرے بدن کے تمام سانسے۔ بڑھاپے سے اکڑ گیا ہے۔ وہ تیری خوش بغل گیری سے چھڑا۔ پیاری! کب تک اتنی ہٹ لیے بیٹھے گی۔ اے خورشید! تو اپنی تیز کرنوں میرے رخساروں پر ڈالتا رہے گا۔ تو خوب ہے۔ ورنہ میں تجھے بلندی کے تخت سے اتار کر بے حرمت کروں گا۔ اور میرے ہوس کے پنجے میں پھنسا کر بازور و ظلم تجھے قید کروں گا۔

(جاتا ہے)

باب پہلا۔

پردہ دوسرا

دہلی میں بادشاہی دیوان خانہ

(خورشید اور مہر انگیز بیٹھی ہیں اور خورشید غصے میں بھری ہے)

مہر انگیز —— اے خوب نما خورشید۔ خلق خدا کا یہ شاہی رواج ہے۔ تجھے کون سی چیز ضرور ہے۔ خدا کی مہربانی سے بادشاہی مہمان خانے میں با امن چین آرام کرتی ہے۔ زری لباس کے دبدبے سے تیرا خورشید تیز جا بہ جا روشن ہوتا ہے اور دنیا کی سب نعمتیں نزدیک تیرے موجود ہیں۔ مانند میرے کئی داسیوں تیرے حضور ہاتھ باندھ کر کھڑی رہتی ہیں۔ اب کس لیے اتنی شور بکوار کرتی ہے۔

خورشید —— مہر انگیز۔ تیرے میں دانش کا گذر کوتاہ ہے کیا میں ایسی دور دراز پر لچا کر آئی ہوں۔ کیا میں نے فقط اتنی جاہ و جلال کے واسطے تیرے بے ایمان شاہ کے ساتھ شادی کی تھی۔ کیا ایک پتھر کی مورت کے مانند پرستش کرانے کو آئی ہوں۔ میرے نامور پدر کے محل میں مجھے کون سی چیز کی کوتاہی ہوتی؟ ہزاروں شہزادے میرے پیچھے دیوانوں کی مانند پھرتے تھے۔ ان کی کچھ بھی داد نہیں لگی اور کم بختی میری اور بزرگ چچا ہمایوں کی۔ کہ اس بے وفا۔ بے قدر اور بے مروت فتح شاہ پر لبھا کر۔ اپنے دولت خانے کا ایک نادر گوہر بیچا۔ اے مہر انگیز۔ ایسا ہونے سے آج وہ چچا بہت غم خوار ہے۔

مہر انگیز —— نور مند خورشید۔ خداوند پاک چند روز میں سبھی فضل و قرار کرے گا۔ صبر بڑی مزدوری ہے۔ گھڑی بھر سوچ کہ دنیا کی تمام چیزوں کا مزہ لیا۔ فقط ایک نہیں تو کیا مضائقہ؟

خورشید —— اے بے عقل۔ وہ ایک ہی چیز پر میرے طالع کی تلوار لٹک رہی ہے۔ جب وہ زیر زمین ہوئی۔ کہ زندگی کا تار ٹوٹے گا۔ عورت کا پاک خوراک اس سوائے کچھ نہیں۔ آدم کی حیات کی آس اور دکھ کا ناس وہی ہے۔ یہ گلابی رخساروں کا کیا کام! یہ بہار کا باد سے کھل کر خود بہ خود پژمردہ ہونا نہ چاہیے۔ پر لائق باغبان سے اس کا سواس لینے کے بعد کملانا چاہیے۔ یہ تیر نگاہ سے غیروں کا سینہ چھیدنا نہ چاہیے۔ بلکہ اس دل فگار تیر کو اپنے لائق بھانتر سے میں رہنا چاہیے۔ یہ چمک دار پیشانی کی روشنی وہ گمراہ سیپٹ باز کے لیے نہیں۔ بلکہ عاشق حق دار کی ہنسی ماتی پیشانی کی جھلکاہٹ زیادہ کرنے کے لیے ہے۔ اے مہر انگیز۔ جب بادشاہ بے قدر ہوا ہے۔ تب امن کا پیچ اور چنڈال کوتوال مجھ پر کیسی بے ادبی اور نہ ظلم گذاری کرتا ہے۔ وہ تو اپنی نظر سے دیکھتی نہیں۔

(خود کوتوال دیوان خانے کے باہر خورشید کی تعریف میں ایک گانا گاتا ہے۔ اور خورشید مہر انگیز کے ساتھ بجانب سے سنتی ہے۔)

گانا

کوتوال —— اگر یوں ہی دل کو ستاتی رہے گی
تو اک دن میری جان جاتی رہے گی
—— اگر

میں جاتا ہوں دل کو تیرے پاس چھوڑے
میری یاد تجھ کو دلاتی رہے گی
—— اگر

اگر تجھ کو چلنا ہے۔ چل ساتھ میرے
یہ کب تک تو باتاں بناتی رہے گی
—— اگر

خورشید! یہ کون مرد ہے اور کیا آرزو رکھتا ہے؟

کوتوال —— (باہر سے) خورشید کی پرستش کرنے والا ہے اور اس کی ذرہ افشاں کرن کا آرزومند ہے۔

(مہر انگیز وہاں سے نکل جاتی ہے)

خورشید —— توبہ خدا۔ پھر وہ لعنتی کوتوال! خوش مند بھی اکلاتے کو آیا ہے۔

کوتوال —— (داخل ہو کر) مبارک خورشید۔ آپ کا حال احوال تو خوش ہے؟

خورشید —— خوشی ناخوشی کی تجھے کیا درکار؟

کوتوال —— جب جان تجھ پر۔ قربان تب میری جان! تیری کا درکار نہیں۔ خدا شاہد۔ میں تجھے جگر سے چاہتا ہوں۔

خورشید —— چاہتا ہے؟ کس کو چاہتا ہے! اپنی جورو کو چاہ۔ اپنے فرزند کو چاہ۔ اپنی عزت کو چاہ۔

کوتوال —— تو ہی جورو۔ اور تو ہی زندگی۔ خورشید بغیر روشنی کہاں ہے؟

خورشید —— اے بے ادب دیوانے! ذرہ زبان کو سنبھال۔ فقط میرا نام ہی تیری تمام عزت اور زندگی دبانے کو بس ہے۔ اگر کوئی رذیل خورشید پُر نور کے حضور پہنچنے کی ہمت کرے تو وہ اس کی آتش تیز سے بجھ جاوے۔ کبھی غلیظ بھنورہ مہر پور سے پاس جانے کا ارادہ کرے۔ تو خفا ہوئی مکھی اپنے ڈنک سے اسے مار ڈالے گی۔ تو پھر خدا! یہاں سے جا۔

کوتوال —— اے جان و دل کو آرام بخشنے والی۔ مجھ بے قرار سے دریافت فرما۔

مجھے تیرے لئے بہت سی محنت و سرگردانی اٹھائی ہے۔

خورشید۔ جا اے ناپاک چشم بس یہاں سے جا۔ تیرا خانہ خراب ہووے۔ جا۔

کوتوال۔ اے نادان نافہمین۔ شاہ نے تو تجھے مانند پجرے کے ڈال رکھا ہے۔ اور تیرے حضور جاہ و جلال سے پُر مجھ سا ایک امیر اتنی منت اور عاجزی کرتا ہے تو بھی تو کچھ نہیں سنتی۔ اے بے قدر! تجھے میرے درجے۔ میری حشمت۔ میری دولت اور مشہور نام پہ باشوق سے طمع کرنا چاہیئے۔

خورشید۔ اے دوزخی مرد! اگر تو آسمان کی بادشاہی رکھتا۔ اگر روئے زمین کا شاہ ہوتا یا حوروں کا شہنشاہ تو بھی میں تجھے اپنی جوتی کی نگہداری کے لئے بھی رکھتی نہیں لعنت اسے بے بنیاد تیری زندگی پر۔ جس کا نمک کھاتا ہے۔ اسی کا ہی نمک دان توڑنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

کوتوال۔ اے تند مزاج عورت! اتنی تندی سے باز رہ۔ یہ تیری ہٹ اور حجت کو بازور تابع کروں گا۔

خورشید۔ (غصے سے) زور سے تابع کرے گا! اے موذی غلام تیرا کیا مقدور کہ مجھے ایک انگلی بھی لگا دے۔ اے بدکار دیو۔ اپنی انکھیاں پھوڑ کر دیکھ کہ تیرے پلید ہستی سے یہ دیوان خانے کی معطر ہوا بھی غلیظ ہو گئی ہے۔ اب ادھر سے منہ کالا کر۔ نہیں تو ابھی تجھے پاپ کے پھندے کی خاطر دوزخ کے غار میں بھیجوں گی۔ اور تیرا بدنام و نشان دنیا سے نابود کر دوں گی۔

(کوتوال جھڑپ سے بڑھ کر خورشید کو پکڑنا چاہتا ہے۔ خورشید پکارتی ہے اتنے میں مہر انگیز اور حرم خانے کی رکھوالی دایا اور دوسرے آ پہنچے ہیں)

دایا۔ مہربان خورشید! یہ کیا ہے؟ کس لئے اتنا شور و گھبراہٹ دکھاتی ہے۔ یہ کوتوال صاحب یہاں کا ہے کو؟

کوتوال۔ اے دانش مند دایا! کچھ یہ ہٹیل کو سمجھا۔ میں شاہ کے فرمان سے ان کو بلانے آیا ہوں۔ اور وہ یہ شاہ کی نافرمانی کر کے ناحق مجھ سے خفا ہوتی ہیں۔

خورشید۔ جھوٹا۔ جھوٹا۔ دغا خور۔ جھوٹا۔ آگ۔ پانی اور ہوا پہ بسواس رکھنا جنگلی شیر و پلنگ پر بھروسہ رکھنا۔ پر یہ پلید پہ مت رکھنا۔

(خنجر نکال کر اپنے دل میں مارنے کا قصد کرتی ہے)

یہاں سے اس دیو کو نکالو۔ نہیں تو ابھی جی نکال ڈالتی ہوں۔ اس موذی سے میرا دامن پاک لرزتا ہے۔

دایا۔ کوتوال صاحب! تم یہاں سے شتاب جاؤ۔

کوتوال۔ کچھ میری بھی سنو تو سہی۔

خورشید۔ بس۔ نہیں۔ اس پلید کا ہر ایک سخن ہزاروں پاک ذات کی خوب صورتی ڈبا دے۔ ایسا ہے۔ بس ان کو یہاں سے نکالو۔

(سب مل کر وہاں سے کوتوال کو باہر نکالتے ہیں)

دایا۔ (خنجر چھین کر) اے مہرو ماہ۔ آج یہ کیا حقیقت؟ جی کو رنجیدہ مت رکھ۔ اب شتاب کر۔ میں تیرے واسطے ایک خوش خبری لائی ہوں۔ چل! ابھی سولہ سنگار کر کے بن ٹھن۔ آج تیرے خاوند تاجدار فتح شاہ نے تجھے یاد کیا ہے۔ وہ تجھے باعزت بلاتا ہے۔ اور آج تو اپنے محبوب سے آرام چاہتا ہے۔

خورشید۔ (جوش میں) خاوند کس کا اور محبوب کس کی؟ سنگار کا ہے کا؟ جاؤ اور اس سے جا کر صاف کہو۔ کہ اب تیرے اور میرے درمیان کچھ علاقہ نہیں۔ میں پہلے ہی تیرے ساتھ شادی کرنے کو راضی نہیں تھی۔ کیونکہ تیری بدچال اور بے مروتی جگ میں مشہور تھی۔ لیکن تو نے مجھے قول و بچن دیا تھا۔ کہ میں اب سے غیروں کی محبت نہ کروں گا اور فقط تجھ پر راضی رہوں گا۔ مگر اس پیمان کے بدلے آج سات برس کی درازی ہوئی۔ مجھے دور کیا ہے۔ پھر وہ پیمان کہاں رہا! اب مجھے تیرے ساتھ کیا نسبت؟ اب میں تیری محبوب نہیں۔ لیکن مجھے بہت دیئے برابر جان۔ وہ گمراہ کو کہو۔ کہ اب میں تجھے مانند پدر کے گنتی ہوں۔ پھر یہ بات کبھی ہونے کی نہیں۔ میں نے سب محبت کو جلا ڈالا ہے۔

دایا۔ اے شہزادی! یہ کیا بولتی ہے؟ شاید تو کم فہم اور دنیا کے تماشوں سے محروم ہے۔ لازم ہے۔ کہ اس خیال محال سے باز رہ۔ اور آتی بدی سے ڈر۔

خورشید۔ بدی! اب بدی میں باقی ہے کیا؟ خرابی کی آخری نوبت تو میں یہ دیکھتی ہوں اب ہرگز میں اس سے ڈرتی نہیں۔ اور جب وہ کھوٹے گلاب کی باس لے کر ناامید ہوا ہے۔ تب ابھی کھرے گلاب کی لپٹ لینے کو آیا۔

دایا۔ جان من خورشید! کیا بات؟ تجھے لازم ہے۔ کہ اس اندیشہ باطل سے گزرے اور لڑکوں کی طرح ہٹ نہ کرے۔ بادشاہ کا مزاج بہت سا خراب اور غصے دار ہے۔ وہ شاید تیری جان کو ضرر پہنچائے گا۔

خورشید۔ مزاج خراب ہے۔ تو اپنی کو بھاری کیا مقدور کہ میری جان کو وہ ایذا دیوے۔ میرا ضعیف چچا اس کا دندان توڑ ڈالے گا۔ میرے مرنے کے بعد روح کا مرغ دنیا میں جا بہ جا اس کی فضیحتی کرے گا۔ اب جاؤ۔ اور تم یہ سب بیان اس سے کہو۔ اور پھر بھی کہو۔ کہ اب بازی ہاتھ سے گئی۔ آج میں اس کی بجائے بیٹی ہوں۔ اور کوئی اپنی بیٹی پر معشوق کا دعویٰ نہیں کرے۔

(سب کوئی دلگیر ہو کر جاتے ہیں)

(خورشید اکیلی) اے دنیا۔ سب کوئی یہ کانچ کے مانند جلا دینے والا بدن پر ٹھاتا ہے۔ مگر کس کو خبر۔ کہ اس پر ظلمات سے کیسی حرک پڑی ہے۔

(خورشید جاتی ہے)

باب پہلا۔

پردہ تیسرا

محل کا ایک دالان

(فتح شاہ۔ وزیر۔ کوتوال۔ لہتا اور ندیموں (موجود)

فتح شاہ (غصے میں) کیا میری طرف اتنی نافرمانی؟ حجت اور مجھے ٹھڈا! ایک ناچیز سی عورت۔ شاہ عالم کی حرمت کو ٹلانا چاہتی ہے کسی کے اوپر اتنی عشاق ہے؟ اس نے میرے ایک دو اور تین حکموں کو تندی سے رد کیا۔ اے وزیر! ابھی کے ابھی اس نافرماں کو سولی پر چڑھا دے۔

وزیر۔ جہاں پناہ سچ ہے۔ کہ اپنی عادل اور پاک شریعت میں تو ایسی نافرمانی کی سزا موت ہے۔ لیکن یہ بدبخت تقصیر دار ایک شہزادی اور نازک عورت ہے اسی لئے لائق ہے کہ اس کو کوئی کم تر سزا دی جائے۔

شاہ۔ نہیں۔ نہیں۔ کبھی کم تر نہیں کروں۔ میں اس کا جی لوں گا۔ ذبح کروں گا۔ مار ڈالوں گا۔ اے چالاک لہتا۔ تو کیا سوچتا ہے؟

لہنوا - بندہ نواز - میں سوچتا ہوں - کہ خورشید کے مغز میں کچھ خلل ہوا ہے۔ بلکہ دیوانی ہوئی ہے۔ پر دیوانے کے سخن پہ کچھ اندیشہ نہیں لے جاتا۔

فتح شاہ - وہ سب کو دیوانہ بنانے - ایسی ہے - کون اس کو دیوانی کہے؟ یا جو سخن اس نے بھیجے ہیں۔ اس سے دیوانے کی باس نہیں معلوم ہوئی۔ اب جو ہو سو ہو۔ مگر اس کو جیتا نہیں رکھنا۔

لہنوا - غریب پرور! آپ کا ارادہ جن دریائی ہے۔ خورشید کو مارنا دشوار ہے۔ جو جان کو اس کی کچھ بھی اذیت کیا۔ تو عالم میں دشواری اور شرمساری حاصل ہوگی اور اس کا چچا، جو بڑا زبردست ہے۔ اس کے ساتھ صلح میں خلل پڑے گا۔ مبادا جنگ عظیم در پیش آئے۔

فتح شاہ - ہونے کا ہو سو ہونے دو۔ پہ میں ہٹ نہیں چھوڑوں۔ لوں میں اس رانڈ کا جان - بنھس میں کھرا فتح خان۔ آج یہ نافرمان ہوئی۔ تو کل سارے زنان خانے کا یہی حال۔ آج عورت ہٹیلی ہوئی۔ تو کل سارا دریانہ۔ کچھ بھی تو سزا چاہیئے۔

لہنوا - ہاں سزا تو چاہیئے۔

فتح شاہ - تب کیا اس بے ادب کو اچھی طرح سے کوٹنا؟

لہنوا - درست ہے خاوندا! بانس کو گھونے سے موڑنا بھلا۔ جب پختہ ہوا تو بڑی سختی۔

وزیر - افسوس یہی ہے۔ کہ نازک خورشید اتنی ہٹیلی ہے۔

لہنوا - اس میں عجائبی کیا؟ گلاب خوشبودار و خوش نما ہے لیکن کانٹا رکھتا ہے۔ سرپ سہاونا ہے لیکن زہر رکھتا ہے۔ گدھا بڑا اسنتوشی اور باربردار ہے لیکن پچھاڑی جھاڑتا۔ بکری شیریں سا دودھ دیتی ہے۔ لیکن لینڈ بھی ڈالتی۔ کوتوال کاتا سبھوں کی چوری پکڑتے لیکن خود عورتوں کی چوری کرتا ہے۔ بادشاہ بڑے جنگ باز کہلاتا، لیکن زنان خانہ ان کا میدان ہے۔

فتح شاہ - اے لہنوا! ابھی تیری فیلسوفی چھپا رکھ، اور یہ درد کا درمان بتا۔ وہ بدذات خورشید کی گردن مارنے سے رہ گیا ہے۔ تو پھر کیا علاج؟ (کوتوال سے) ہمارا کوتوال تو کیا مصلحت دیتا ہے؟

کوتوال - (دل میں) کوئی تدبیر ایسی کرنا چاہیئے۔ کہ یہ رانڈ میرے ہاتھ آئے۔ اور شاہ بھی راضی رہے۔ (ظاہر میں شاہ کو) تخت پناہ! ایک مصلحت اچھی نظر آتی ہے کہ خورشید بیگم کو کوئی ایذا دینا تو خوب نہیں۔ لیکن اس کو ظاہر بازار میں بیچ ڈالنا۔ جو کوئی ایک گز اونڈا اور ایک گز چوڑا کھڈا سونے سے بھرپور کر دیوے۔ اسی کو یہ بیگم دینا۔ اے شاہ! ایک گز سونا دیوے ایسا دنیا میں کون ہے! کوئی اتنا دے گا بھی نہیں، اور خورشید کو لے گا بھی نہیں۔ بیگم تو اپنے پاس ہی رہے گی فقط خورشید کی سارے جہان میں فضیحتی ہوگی اور وہ اپنی مغروری چھوڑ دے گی۔ اگر کسی نے خرید بھی لی۔ تو خزانہ میں بہت سی افزودی ہوگی۔ یہ ہٹیلی اور نافرمان عورت لائق بادشاہ نہیں ہے۔

فتح شاہ - شاباش کوتوال! یہ بڑی دانائی کی بات۔ لاکھوں ٹکے کی قیمت اس تیری صلاح کی ہے۔ (وزیر سے) نامدار وزیر! اللہ کر ابھی کا ابھی حکم ہو کہ یہ مغرور رانڈ کو بھر بازار میں بیچنے کو رکھے۔

(وزیر جاتا ہے)

کوتوال - (اپنے دل میں) سبحان اللہ۔ معشوق ہاتھ لاتے کی اچھی بارتی ہاتھ آئی۔ اب ظاہر بازار سے اس ہٹیلی کو میں ہی لوں۔ اور لے کر کوئی دوسرے شہر نکل جاؤں کہ پھر شاہ کا دست رس میرے سر پر نہ رہے۔

لہنوا - (الٰہی) کہتے ہیں کہ ڈھیر ڈھکرے سے راضی - تو وہ بات پکی ہے۔

باب پہلا

پردہ چوتھا

دہلی شہر کا بازار

(لوگوں کی ٹھٹھ ملی ہوئی ہے۔ خورشید بیگم کو پردہ پوش ایک کرسی اوپر بیٹھائی ہوئی ہے۔ سب درباری اور کوتوال نزدیک کھڑے ہیں۔ ایک شخص ڈھکا پیٹ کر پکارتا ہے۔

ڈانڈیا - سب خوبصورتی کے خریداروں کو۔ مہتاب سی محبوبوں کے عاشقوں کو۔ نقد مال بہا سنے والے ہوش مندوں کو۔ بادشاہی خاتون کے طلب گاروں کو۔ اور تمام شہزادوں، امیر امراؤں۔ ادنیٰ و اعلاؤں۔ زردار۔ مال دار و تجار سبھوں کو پکار ظاہر و باہر کہا جاتا ہے۔ کہ عالی جاہ۔ عزت پناہ۔ شاہ جہان بادشاہ فتح خان نے اپنی خوش چہرہ خورشید سے ناخوش ہونے کے باعث آج سب کے حضور اس بیگم کو بہ مول ایک کھڈا سونے کے بیچ ڈالنے کا فرمان دیا ہے۔ جو کسی کی تاب و طاقت ہو۔ تو اس کو خرید کر لینا۔

(ایک تونگر سوداگر نزدیک آتا ہے)۔

سوداگر - ذرہ بتا تو سہی۔ ایسی کیسی نازنین ہے۔ کہ کھڈے کے مول سے بیچی جاتی؟

ڈانڈیا - جی۔ دیکھنے کا دام پڑتا ہے۔ آپ نے عمر بھر میں ایسی خوبصورتی نہ دیکھی ہوگی۔ یہ ایسی ہے پری پیکر نار۔ جس کی پیشانی پر ماہ کے آثار۔ جس کی چشموں کی نرگس میں دو ہیرے جڑے۔ جو آدم کے اندھیرے جگر کو روشن کرے۔ رخسار و جبھو گو مخمل کے دو دھڑے۔ لب ہیں بدخشاں کے لعل سے جڑے۔ ہاتھوں سنگ مرمر کی صفائی سے بیار۔ جنگلی بال رو پہلے گردن پر چمک دار۔ خلق خدا میں نہیں اس کا جوڑا کوئی جس نے دیکھی یہ محبوب۔ اس نے عقل کھوئی۔

سوداگر - خالی ڈفانس چھوڑ دے۔ اور ذرہ سامنہ تو بتا! دیکھے بغیر کیسے خریدی جائے۔

(پردہ اٹھا کے خورشید کو دکھلاتا ہے۔ اُسے دیکھتے ہی خورشید غصے سے اپنا منہ پھیر ڈالتی ہے۔

سوداگر - ہے مال تر۔ قیمت دار ہے۔ (تعجب ہوتا ہے)

ڈانڈیا - ہاں مال قیمت دار ہے۔ لیکن مول دیا جائے گا مول۔

سوداگر - ارے ایک کیا پر۔ سارا زنان خانہ خریدنے کی طاقت رکھتا ہوں۔

ڈانڈیا - چلو تب ایک گز اونڈا ایک گز چوڑا ایک کنڈ سونے سے بھر دو۔

سوداگر - ایک گز کا کنڈ سونے سے! یہ کیا بکتا ہے؟

ڈھنڈورچی - بس۔ چھتیا دب گئی۔ لینے والے کا منہ تو دیکھو۔ کوئی دن لائی تھی۔ لائی تو نہیں۔ پر دیکھی تھی۔ دیکھی نہیں۔ کوسنی بھی تھی۔ جاؤ جاؤ میاں۔ تمہارا کام نہیں رانی لینے کو آیا۔

(سوداگر گپ چپ چلا جاتا۔ اور دوسرے ایسا بھاری مول سن کے سر دھن کے پیچھے ہٹتے ہیں۔)

ڈانڈیا - آجانا - آجانا۔ کھڈے کے مول سے شہزادی خورشید لینا ہو۔ تو آجاؤ۔

(ایک بدصورت، ضعیف اور لاغر امیر جھونکا کھاتا آتا ہے۔)

امیر۔ پردہ کھول اور منہ بتاؤ۔

ڈانڈیا۔ (اپنے دل میں) یہ کیا لیتا تھا! ایک طمانچہ سے سترہ گلاٹ کھائے ایسا ہے ظاہر میں! اے کاکاجی۔ دیکھنے کی بات نہیں۔ لینے کی بات۔ ٹانگری میں کچھ زور ہو۔ تو آنا۔

امیر۔ اے بے ادب۔ ملاحظت چھوڑ۔ کیا مسخری لگائی ہے۔ یا بیچنے کو بیٹھا ہے۔

ڈانڈیا۔ پاؤں میں زور ہے۔ لینی خریدنے کو پیسہ ہے!

امیر۔ تو مجھے کیا پہچانتا نہیں؟

ڈانڈیا۔ صاحب۔ اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ کہ آپ بڑے امیر ہیں۔ مگر لائق آپ کے یہ عورت نہیں ہے۔ آپ لے کر کیا کریں گے!

امیر۔ جہنم میں ڈالوں گا۔ اس میں تیرے باپ کا کیا جاتا ہے؟

ڈانڈیا۔ بھلا قیمت کی کچھ خبر ہے! ایک گز کا کنڈ بنا کے سونے سے بھرپور کر دینا پڑے گا۔

امیر۔ بس اتنا ہی؟ اتنے کی کیا درکار! لیکن اس کو دیکھنا چاہیئے۔ دیکھے بغیر کیسا لیسے!

ڈانڈیا۔ تب تو بلاشک دیکھ لو۔

خورشید۔ (پردہ کھلتے ہی جھنجھلا کر)
چل چل موئے ابلیس! ادھر سے منہ کالا کر۔
(پردہ ڈال لیتی ہے)

امیر۔ یہ مزاج کی کسی کو لے کر کیا کرے؟

ایک سوداگر۔ دیکھو تو سہی۔ کتنا ہے دماغ۔

دوسرا سوداگر۔ جو کوئی لیوے۔ اسی کی کم بختی۔

امیر۔ مرنے دو۔ اس میں کچھ نفع نہیں۔

ڈانڈیا۔ چاچا جی۔ میں نے تو پہلے سے کہا تھا۔ کہ آپ کا کچھ ہونے والا نہیں۔ اب تو وقت قبر کا ہے۔ اس کی کچھ خرید کرو۔

امیر۔ چپٹ چپٹ۔ میں تو ایسی رانڈ ٹھوکر سے ماروں۔

(جاتا ہے)

ڈانڈیا۔ کوئی ہے! آجاؤ۔ آجاؤ۔ وقت ہاتھ سے جاتا ہے۔

(کئی ایک دہقانی ایک طرف سے آتے ہیں)

ایک دہقانی۔ بھائی یہاں کیا گڑبڑ لگائی ہے؟

دوسرا دہقانی۔ (جو پہلے سے وہاں کھڑا تھا) دو متوا بھلے آئے۔ ادھر تو بادشاہ کی بیگم بیچی جاتی ہے۔

تیسرا دہقانی۔ بیگم بیچی جاتی۔ چلو اپنے دو چار ساتھ مل کے لے لیجیے۔ واہ۔ واہ کبھی کوئی بیگم دیکھی تو نہیں۔ لیکن آج خرید کر لے جائیں گے۔

دوسرا دہقان۔ لیکن سونے کے مول سے بیچی جاتی ہے۔

تیسرا دہقانی۔ تب تو بہتر ہے۔ میرے پاس دو تولے سونا ہے۔ تمہارے پاس کتنا ہے؟ برادروا ہم ساتھ مل کر شرکت میں لینا ہے۔

چوتھا دہقانی۔ کہ دوں تو دس تولے میں لے۔ تو بھی اچھا ہے۔ چلو یار ذرا دل دیکھ لیجیے۔

پہلا دہقانی۔ (نزدیک جا کر) اے برادر! بیگم ہم کو بتا۔ ہم لوگ خریدنا چاہتے ہیں۔

کوتوال۔ کیا چاہتے ہو؟ ادھر آدمی بیچا جاتا ہے۔ گوسفند نہیں۔ جاؤ یہاں سے۔ نہیں تو ٹھونسے کھاؤ گے۔

دوسرا دہقانی۔ ہاں ہاں دیکھنے تو دو۔ پسند پڑی۔ تو بن ڈھیل دام دے کر لے چلے جائیں گے۔

ڈانڈیا۔ جو ہے سو یہی۔ دیکھنے بیکھنے کی بات نہیں۔

(دہقانی آپس میں)

پہلا دہقانی۔ چلو جی۔ جو ہے سو یہی۔ کچھ نہیں تو بادشاہ کی بیگم تو ہے۔ فقط اس کے بدن پر زر۔ زیور تو ہوگا۔ پھر دیکھنے کی کیا غرض۔ اے برادر! اچھی نیکی بول دے کہ اس کا کیا مول؟

ڈانڈیا۔ ایک گز کا کنڈ سونے سے بھر دینا۔ اور بیگم لے جانا۔

دوسرا دہقانی (تیسرے سے) احمد بھائی! تمہارے پاس کتنا تولہ ہے؟

ڈانڈیا۔ تولہ۔ تولہ۔ کیا بکواس کرتے ہو؟

تیسرا دہقانی۔ سب مل کر دس تولے سونا ہوگا۔

ڈانڈیا۔ (تعجب ہو کر دھپوں سے مارتا ہے) کم بختو! نکلو یہاں سے۔

پہلا دہقانی۔ ارے کاہے کو مارتے ہو۔ پندرہ تولے لو۔

(کوتوال پکڑ کر لات اور مکوں سے مارتا ہے۔)

چوتھا دہقانی۔ بھلے آدمی اتنا خفا نہیں ہونا۔ لو جی بیس تولے لے لو۔

(سب کو دھکا مار کر نکالتا ہے)

کوتوال۔ چلو اب بیچنے لے چلو۔ کوئی خریدار تو نہیں۔ اور کسی کی طاقت بھی نہیں۔

ڈانڈیا۔ مہربان کوتوال۔ تھوڑی سی دیر صبر دھرو۔ کوئی بھی غنی مرد آئے گا۔

(بہادر خان نام کا ایک نوجوان بھرپور داخل ہوتا ہے)

بہادر خان۔ ابھی ایک سوداگر فیروز شاہ نام۔ ہر قسم کا مال بھرے ہوئے سات جہاز لے کر بندر میں آپہنچا ہے۔ وہ یہ خبر سن کر شتاب خریدنے کے لئے حاضر ہوتا ہے۔

(ایک نوجوان خوبصورت سوداگر اپنے نوکروں کے ساتھ باادب داخل ہوتا ہے)

فیروز شاہ۔ جو خورشید پُرنور سارے جہاں میں مشہور۔ ان کو ایسی بے حرمتی سے بیچنے کا کیا باعث ہے؟

ڈانڈیا۔ شاہ نے اپنی بیگم پر ناخوش ہونے کے سبب ظاہر میں بیچنے کا فرمان دیا ہے۔

فیروز۔ بڑا افسوس ہے۔ ایک نازک۔ نازنین فرید۔ نازک بدن ناری یہ ایسی بے حرمتی اور گستاخی کرنا۔ لیکن ایسی شہرہ آفاق کی قیمت بہت زیادہ ٹھیرائی ہوگی؟

ڈانڈیا۔ بادشاہ کا حکم ہے۔ کہ جو کوئی کم از کم ایک گز اونچا اور ایک گز چوڑا کنڈ سونے سے بھر دیوے اسی کو دینا۔

فیروز۔ ظاہر میں تو یہ رقم بہتیری ہے۔ لیکن اس کے مبارک نام پر یہ قربان ہے۔ میں نے خورشید بیگم کی شرافت و کاملیت بہت سنی ہے۔

کوتوال۔ (دل میں) مجھے ڈر لگتا ہے۔ کہ کہیں یہ حریف بازی جھٹکائے گا۔

فیروز۔ ان کا چہرہ بتاؤ گے؟

کوتوال۔ (گھبرا کر) چہرہ وہرہ کچھ نہیں دکھاؤں گا۔ ویسے ہی لینا ہو۔ تو لے لو۔

فیروز۔ فقط میں اسی کے نام ہی سے بہ جان و دل قربان ہوا۔ ایک نظر دیکھنا بھی خوب ہے۔

(خورشید نے خود بخود پردہ اٹھا کر فیروز کو چہرہ دکھایا)

خورشید۔ (محبت سے اشارہ کر کے)

جوہر کی جوہری کرے پہچان
مورکھ آئے ہیرا ہے کانچ سمان
یہ ڈال دیا مورکھ نے سمجھ کے سنگ
اٹھا لے اسے جوہری ہو گا دولت مند

فیروز۔ بس بس۔ ایک گز کا کسڈ شتاب میں بھر دیتا ہوں۔

کوتوال۔ (گھبرا کر دل میں) کم بختی! بازی ہاتھ سے جاتی ہے۔

(ظاہر میں) اسی پر چڑھائی کر۔ سوائی بھر دوں گا۔

(فیروز گھبراتا ہے۔ خورشید اشارہ کرتی ہے۔)

فیروز۔ میں ڈیڑھ گز دیتا ہوں۔

کوتوال۔ میرا پونے دو گز۔

فیروز۔ میں دو گز دوں گا۔ سب مال و اسباب اور جہاز بیچ کر فارغ ہو جاؤں گا۔ لیکن اس ماہ رو کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔

(کوتوال نا امید ہو کر دیکھ رہا ہے)

ڈانڈیا۔ کوتوال صاحب ہجوں بدھنے کی کوئی مرضی ہے؟

کوتوال۔ (دلگیری سے) میں نے چھوڑ دی۔ دیکھوں تو سہی۔ یہ لے کر کیسا فتح مند ہوتا ہے۔

خورشید۔ (شتاب کھڑی ہو کر فیروز کا ہاتھ محبت سے پکڑ کر کوتوال کو) حرام کھانے والے۔ نیچ لوگوں کے نا امید ہونے سے میں بہت خوش ہوئی ہوں۔ کھرا خریدار۔ اور سچا یار تو ہی ہے۔ اے بے ادب جا! ابھی میرے گھوڑے کی چپرداری کر۔

فیروز۔ چلو کوتوال صاحب۔ تمہارے کو عوض کی نشانی کر دیتا ہوں (بہادر خان سے) بہادر خان! اپنا سب مال و اسباب اور جہاز بیچ کر ان کو پورا کر دینا۔

(خورشید اور فیروز شاہ وہاں سے نکل جاتے ہیں)

باب دوسرا۔

پردہ پہلا

کوتوال کی کچہری

کوتوال۔ (سپاہی کو) جا ابھی تو جا میرا مغز برقرار نہیں ہے۔

سپاہی۔ مگر غریب پرور! وہ قیدیوں اور فریادیوں کا کیا کرنا ہے؟

کوتوال۔ شتابی سے کہہ دے۔ فریاد کیا ہے؟

سپاہی۔ بندہ نواز! ایک مرد فریاد کرتا ہے۔ کہ اپنی جورو کو ایک دوست لے کر بھاگا ہے۔

کوتوال۔ اس کو کہنا۔ کہ اپنی جورو کو دوست کے ساتھ جانے دو۔ اور تم دوست کی جورو کر لو۔

سپاہی۔ خداوندا! ایک چور نے کسی سوداگر کے یہاں چوری کی۔ اور خود چور پکڑا گیا ہے۔

کوتوال۔ جو ملا ہو گا۔ اس میں سے آدھا مال سوداگر کو پہنچا دو۔ آدھا سرکار کے واسطے میری کوٹھی میں رکھو۔ اور چور کو جانا دے کر چھوڑ دو۔

سپاہی۔ صاحب! کوئی عورت پر دو فرد دعوی کرتے ہیں۔

کوتوال۔ اے احمق! اتنا بھی آتا نہیں۔ عورت کو زنان خانے میں بھیج دے اور مردوں کو دھکے مار کر نکال دے۔

سپاہی۔ خداوند ایک۔

کوتوال۔ کم بخت ایک ایک کر کے سر کھا گیا۔ بس جاؤ یہاں سے ابھی مجھے زیادہ تکلیف مت دو

(تمام وہاں سے بھاگ جاتے ہیں)

کوتوال (اکیلا) خورشید! اے خونخوار۔ آخر تو میرے چنگل سے چھوٹ گئی۔ لیکن میں تیرا پیچھا نہ چھوڑوں گا۔ تجھے باشوق سے چاہتا ہوں۔ تو پری نور۔ جنت کی حور۔ روئے زمین پر مانند تیرے کوئی بانو نہیں۔ تیرے بغیر شاہوں کے حرم خانوں کو زینت نہیں۔ پر تعجب ہے کہ مانند تیرے ایک صاحب حشمت اور امیر سلطنت کو چھوڑ کے ایک سوداگر بچے کے ساتھ نکل گئی۔ افسوس۔ تیری بے وفائی پر کہ تو نے میری کچھ قدر نہ جانی۔ یاد رکھ! اے دلدار بے وفا۔ کہ تیرے اوپر پڑے جفا۔ تیرے سوداگر کو کروں صفا۔ تب ہی میں کوتوال اچھا کھرا۔ یہاں کوئی ہے؟

سپاہی۔ خداوند۔ بندہ حاضر ہے۔

کوتوال۔ ابھی کا ابھی وہ فیروز شاہ سوداگر کے نفر بہادر خان کو بلا (سپاہی جاتا ہے) کبھی اس نفر سے مغرور خورشید اور اس سوداگر بچے کی کچھ باتیں ملے گی۔

(بہادر خان کو لے کر سپاہی داخل ہوتا ہے۔)

کیوں اے کافر! تو ہوں نہیں سمجھتا؟ اور سچ بات نہیں کہتا۔ ابھی کہہ دے تیرا صاحب اور وہ خورشید بیگم کدھر نکل گئے ہیں۔ راستہ بتا دے۔ نہیں تو ابھی دھڑ سے سر اکھڑ جائے گا۔

بہادر خان۔ (دل میں) افسوس۔ دنیا کیسی دورنگی ہو گئی ہے۔ میں کون۔ فیروز کون۔ اور یہ بدمعاش کون؟ اس کو کہاں خبر ہے۔ کہ فیروز شاہ جہاں دار بادشاہ کا بیٹا اور میں بہادر خان وزیر کا بیٹا۔ فقط ہمدردی کے لئے میں نے فیروز کو مدد دی۔ اور آج اس بدنوبت پر پہنچا ہوں۔ یہ کنگال کوتوال مجھے نفر بوجھتا ہے۔ مگر وہ بے خبر ہے کہ اپنے مانند تو سیکڑوں نفروں میرے شاہ کی بیٹی۔ میری عزیز دل گنہگار کے جوتی بردار ہیں۔

کوتوال۔ اے غلام! زبان میں کیا دھندناتا ہے۔ شتابی سے بول۔

بہادر خان۔ صاحب۔ میں فکر کرتا ہوں۔ کہ کبھی آدم کا سر اکھڑ جائے تو کس طرح اس سے سخن نکلتا ہو گا۔ کیونکہ آپ مجھ سے بے خبر بھی چاہتے ہو۔ اور سر بھی اکھاڑتے ہو۔ تو ایک دفعہ میں۔ دونوں کس طرح سے ہو سکے گا؟ کوتوال صاحب! میرا سر گرنے کے بعد مجھ سے سخن کہا جائے گا۔

کوتوال۔ اے بے وقوف غلام۔ یہ ڈھونگ کیا رچاتا ہے۔ درست جواب دیتا ہے کہ نہیں؟

بہادر خان۔ (ہنس کر) ہاں ہم غلام۔ غلام کو تو مول دے کے خریدتا ہے۔ میرے صاحب کے پاس خرید کے غلام بہت ہیں۔ میں اپنے صاحب کا خریدا ہوا نہیں ہوں۔ آپ نے مجھے مول دے کر لیا نہیں ہے۔ مجھے تو پکڑ منگوایا ہے۔ اس لئے اب مجھے چھوڑ دو۔ کہ میں اپنے صاحب کو پکڑ لاؤں۔ کیوں سچ ہے کہ نہیں۔

کوتوال۔ اے دیوانے۔ ابھی مشکیں ٹاٹ۔ کروا دوں گا۔ سچ بتائے گا کہ نہیں!

بہادر خان۔ صاحب! دیوانے کو مار کر کیا نفع پاؤ گے۔ دیوانے کو چاہیے سو

مارو۔ لیکن وہ دیوانے کا دیوانہ۔ دیوانے کے ساتھ جو گفتگو کرتا ہے۔ وہ بھی دیوانہ ہوتا ہے۔ نہیں صاحب!

کوتوال۔ اب اپنے صاحب کی بات چھوڑ دے۔ وہ خورشید کی خریدی سے تمام لاچار اور دیوانہ ہو گیا ہے۔ اب اس کے ہاتھ سے تیرے حق میں کچھ نفع نہیں ہوگا سن! میری نوکری میں تجھے فائدہ ہے۔ کچھ مغز میں آتا ہے!

بہادر خان۔ ہاں خداوندا! آتا ہے۔ ارے خبر نکل گیا۔ ہاں تھوڑا سا آیا۔ اب بہت آیا۔ ارے پھر بھاگ گیا۔

کوتوال۔ (دل میں) کوئی بڑا ہی احمق ہے۔ اب دیکھیے کچھ چاپلوسی سے تابع ہوتا ہے۔ (بہادر کو) میں سوچتا ہوں کہ تو بڑا سیانا ہے۔

بہادر خان۔ واہ! ابھی تو دیوانہ کہتے تھے اور اتنے میں سیانا کیونکر ہو گیا!۔ میں سیانا ہوا کوتوال صاحب۔ اس لیے میں آپ کا احسان خواہ ہوں۔

کوتوال۔ لے یہ اشرفی کی تھیلی لے۔ اور کہہ دے کہ تیرا صاحب کہاں ملے گا۔

بہادر خان۔ (دل میں) اب تو کچھ فندی کر۔ عقل مندی بتا کے کیسا بھرنا اور رفیق کا بچاؤ کرنا خوب ہے۔

(کھیسے سے کاغذ نکال بانچ کے)

شہر میں میرے صاحب نے مدت سے مال و اسباب کی بکھاریں بھری ہوئی ہیں۔ وہاں جانے کا اس کا ارادہ تھا۔ تو مقرر وہ وہاں گیا ہوگا۔

کوتوال۔ راست کہتا ہے! اس کی ملاقات سبع شہر میں ٹھیک ہوگی۔

بہادر خان۔ ہاں صاحب۔ ملاقات ٹھیک ہوگی۔ بن ڈھیل وہاں جانا۔

کوتوال۔ وہ تیرے صاحب کا لباس پڑا ہے۔ اس لباس میں کوئی دن تو نے اس کو دیکھا تھا۔

بہادر خان۔ ہاں صاحب! ان کو یہ پوشاک بہت پسند ہے اور وہ ہمیشہ ویسی تھا پوشاک پہنتا ہے۔ اور اس میں سوداگری کا درجہ بوجھتا ہے۔

کوتوال۔ جب ایسا ہے۔ تو میرے حضور لا وہ پوشاک۔ اگر میں دھاری مقصد پر پہنچوں گا۔ تو تجھے زر سے نوازش کروں گا۔

(بہادر خان جاتا ہے)

یہ پوشاک پہن۔ سوداگر بن کے اول وہ سوداگر بچہ فیروز شاہ کو قتل کرنا۔ پھر خورشید کے حضور پہنچ کر با فند و فریب اس کو اپنے جنگل میں لانا۔ اچانک سوداگر بچے کو تھا گران کے ہی لباس میں وہ ہٹیلی رانڈ سے ملوں۔ اور پیچھے سے ظاہر ہو کر اس کو چینڈھ چینڈھ کے ٹھکانے پہ لاؤں۔ اور آخر اس کے ساتھ نکاح کروں۔ تب ہی میرا غصہ سما جاوے۔ یہ جوگتا تو بہت خوب لگتا ہے۔

(کوتوال خوش ہو کر جاتا ہے)

بہادر خان۔ (داخل ہو کر دل میں) سچ! لباس تو میرا فیروز کا ہے۔ ایک بار پہن کر خورشید کے حضور جائے۔ تو بے شک وہ اپنا خاوند سمجھے۔ مگر یہ موذی کوتوال کو میں نے جس شہر کا نام بتایا ہے۔ وہ غلط ہے۔ عمر بھر پھرے گا۔ تو بھی اس کا پتا لگنے والا نہیں ہے۔ توبہ خدا جس کا اب تک نمک کھایا۔ اس کے ساتھ کیا دغا کروں۔ اور یہ جلاد کو اس کا پتا دے کر کیا اپنے ہمدم کا خون کرواؤں؟۔ جو نام میں شیطان مجھے۔ اس کام کو میں بندہ ہو کر کروں؟۔ نہیں نہیں۔ میں بھی اپنے نمک رساں صاحب کی تلاش میں جاؤں۔ اور یہ سب بات اس کو کہہ دوں مگر عزیز از جان گل چہرا! تو بغیر میرے کیسے جو ہوتی ہوگی۔ تیرے برادہ کی خاطر داری کے لئے میں نے تجھ کو چھوڑا ہے۔ مگر امید رکھتا ہوں کہ چند روز میں آکر تیرے شہد سے لب کو شیریں کروں گا۔

(جاتا ہے)

باب دوسرا۔

پردہ دوسرا

سندھ شہر میں ایک باغ

(فیروز شاہ اور خورشید باہم بیٹھے ہیں)

فیروز شاہ۔ اے خورشید پیکر! تو نے جیتے جی مجھ مسکین کو باغ بہشت میں پہنچا دیا ہے۔ اے ماہ عالم! تیری خوب روئی کے اوپر میں بہ جان و دل فدا ہوں۔ تیری جھمک دیتی مورت پر میں اشک باری اور خوش حالی نثار کروں گا آفرین تیرے حسن پر کہ وہ سنگ و آہن کو موم بنا دے۔ اور شیر و بلنگ کو سیر نماتے کرے۔ اور آب دریا کو زمین پہ چلا لے۔ اور آدم کے لہو کو رگ رگ میں دوڑا دے۔ ویسا ہے۔ باایمان کہتا ہوں۔ بس تو انسان نہیں، پر کوئی پری ہے۔ اے میری جان! تو بے ڈر رہ۔ جب تک یہ قالب میں جان ہے تب تک تیری رفاقت و حفاظت کروں گا۔ اور تیری خوشی ناخوشی میں ہمیشہ ہی جوڑا جاؤں گا۔

خورشید۔ اے محبت پناہ فیروز شاہ! ایسی زبان کہاں سے لاؤں۔ کہ شکر تمہارے احسان کا ادا کروں۔ بالی بالی میرا آپ کے لطف و کرم کا ثنا خواں ہے آپ کی ابریشمی زلفوں کے تار و تار پہ میں صدقے ہوں۔ کہ آپ نے اس بیقرار دل کو اس بے قدر اور بے وفا فتح شاہ کے پنجے سے نجات دے کر دوبارہ لباس پیکر انسانی پہنایا۔ اور میری خاطر آپ سے مال دار تجار نے اپنی دولت و عشرت ایک پل میں کھو دی۔ یہ آپ کی محبت اور مہربانی کچھ کم نہیں جانتی۔ مگر یاد رکھیئے۔ کہ فیروز سوائے خورشید نہیں اور خورشید سوائے فیروز نہیں۔ ابھی ظاہر میں دو۔ لیکن باطن میں ایک ہی توجہ۔

فیروز شاہ۔ عزیز خورشید! آفرین ہے تیرے سخنوں پر اللہ تجھے مہربان رکھے۔ اور تمام درد و دکھ سے آرام و راحت دلوے۔ میں تو تیری تجلی سے مارا گیا ہوں۔ اب میں جان و دل سے تیری خدمت گزاری میں حاضر ہوں۔ تیرے آرام کو اپنی راحت پر مقدم جانوں گا۔ اور ہر صورت سے تیری تابعداری کروں گا۔

خورشید۔

غزل

آنکھ کیوں تو نے بھلا ہم سے ملائی پیارے
بجھ گئی تھی سو پھر اب آگ لگائی پیارے
دوستی میری تیری یار! نبھاوے اللہ
گرچہ بدنامی زمانے میں اٹھائی پیارے

خانۂ دل میں میرے بھڑکے ہے اب آتش عشق
شکل تو نے جو نہی اپنی یہ دیکھائی پیارے
میں سوا تیرے کسی کو بھی نہ دیکھوں ہرگز
سامنے اپنے اگر ہووے خدائی پیارے
ہفت اقلیم کی شاہی نہیں خوش آتی ہے
خوش نما ہے تیرے کوچے کی گدائی پیارے

فیروز۔

غزل

میں وہ نہیں ہوں کہ تجھ بت سے دل میرا پھر جائے
پھروں میں تجھ سے تو مجھ سے میرا خدا پھر جائے
الٰہی وہ نہ پھرے جس کے غم میں مرتا ہوں
بلا سے حلق اوپر خنجر جفا پھر جائے
تیری گلی سے میں ہرگز نہیں سرکنے کا
اگرچہ لاکھ دفعہ سایۂ ہما پھر جائے
مثال قبلہ نما دل میرا سدا پھر جائے

(بغل گیری کر کے بوسہ لیتا ہے)

جانِ من! خورشید فلک تو فقط آنکھوں کو روشنی دیتا ہے۔ لیکن تو زمین کا خورشید میری چشموں کو زیادہ اجالے کے ساتھ جان کو بھی چمک دیتا ہے۔ یہ دنیا میں مجھے جو کوئی عزیز سے عزیز ہے۔ تو اکیلی تو ہی ہے۔ سچ مان۔ کہ تو میری رگوں میں خون کے ساتھ مل جا کے میرے جگر میں بادشاہی کرتی بیٹھی ہے۔ بول دے پیاری میرے سے تجھے کون سی چیز کی غرض ہے۔ جو بھی طلب ہووے۔ وہ آنکھوں سے حاضر کروں۔ اتنا ہی افسوس ہے۔ کہ تو شہنشاہ زادی کی حشمت بچانے کے لائق اب میرے پاس زر و مال نہ رہا ہے۔ پر خاطر رکھ کہ آج ظاہر میں مجھے جو درجے پر دیکھتی ہے اس سے بدتر ہوں۔ میرا حسب و نسب جب آشکارا ہوگا۔ تب تجھے زیادہ خوشحالی پیش آئے گی۔

خورشید۔ کاہے کو افسوس کرتا ہے جان! اگر دولت نہ رہی۔ تو کیا مضائقہ۔ اپنی کے پاس محبت کی صندوق بھری ہے۔ تو پھر اس کے آگے زر کی صندوق کیا چیز ہے۔ دنیا میں اپنے مانند تونگر کم ہوں گے۔ اے دلدار یار! کچھ بھی اندیشہ مت کر۔ یہ میرا حسن فقط دیکھنے کا نہیں۔ ہنر مندی میں میرا نام یہاں میں مشہور ہے۔ اگر میرے پاس زر نہیں تو ہنر رکھتی ہوں۔ اے جواں مرد! تو فقط ایک اشارے سے انمول چیزیں میرے اوپر گما کر آج بغیر زر کے پریشان خاطر ہوتا ہے۔ لیکن بے خوف رہ۔ تیری گمائی ہوئی دولت کا بدلہ جلدی سے دوں گی۔ لے یہ چادر ہاتھ میں لے اور اس شہر کے بازار میں جا کر بیچ ڈال۔ مگر ایک لاکھ ٹکے کی قیمت سے کم ترمت بیچو۔ میں نے یہ فیج شاہ کے محل میں گونتھ رکھی تھی اور وہاں سے گپ چپ یہاں لائی ہوں۔

فیروز شاہ۔ (چادر دیکھتے ہی چونک کر) واہ کیسی چمک۔ کیسی صفائی۔ کیسی صنعت خدائی۔ کیا فرشتوں سے بھی ایسی کاردوزی ہووے؟

اے فیروز! راحت راحت۔ ہمیشہ تجھے راحت۔ کہ تیرے آغوش میں ایسے جان فزا حسن کے ساتھ دانش مند اور ہنر مند غم گسار ہے۔ لیکن شرم ہے مجھے کہ مرداں مرد کہلاتا ہوں۔ تو باز محبت تیری حفاظت و حمایت کرنا مجھے چاہیئے اس کے بدل تیرے احسان کے غار میں غرق ہوتا ہوں۔

خورشید۔ جان من! یہ کیا سخن، اگر ایک برس بھر میرے مانند سو عورتیں ہر روز ہر ایک ایسی سو چادر بنا دے۔ اور تجھے بخشے تو بھی میرے اوپر ہوئی تیری مہربانی کا عوض ادا نہ ہووے۔

بس میری جان! مت بول زیادہ۔ میں زیادہ شرمسار ہوتی ہوں۔ آپ کا حق احسان میری گردن و جان پر اتنا ہے کہ اگر میرے بدن کی جلد سے جوتی بنا کر پہنے تو بجا ہے۔ اب تم کب پیچھا پھروگے؟ پیارے روشن دیدار کے بغیر ایک پل مجھے ایک سال کے مانند دراز گزرے گی۔ سدھارو میرے پیارے! محبت کی روشنی سے سیدھے راہ چلے جانا۔ اور یہ محبت کی صنعت کا نادر نمونہ باخوشی بیچنا۔ اور خورشید کی تیز تاب کی مدد سے جلدی قدم پیچھا پھر آنا۔ ایک بغل گیری کر۔ ایک بوسہ دے اور سدھارو میری جان۔

فیروز شاہ۔ پیاری اب میں رخصت لیتا ہوں۔

خورشید۔ تمہاری رخصت گویا میری جان کی رخصت ہے۔

(فیروز۔ خورشید کو بوس و کنار کر کے چادر لے جاتا ہے)

باب دوسرا۔

پردہ تیسرا

سندھ شہر میں بادشاہ ملک شاہ کا دربار

(دربار میں کتنے ہی امیر۔ امرا جو کہ ذات ہندو ہیں۔ آپس میں مل کے شاہ کے ایک مسخرے غازی خان نام کے ساتھ ٹھٹھا بازی کر رہے ہیں اور وہ غازی خان بڑا چود ہے۔)

غازی خان۔ تم سب بھاجی کھاؤ۔ میرے نزدیک کیا حساب! میں ابھی کڑ کڑا کر ایک ایک کو بڑے میں لگاؤں۔ تو زمین کا دوست بناؤں گا۔ اور چاہوں تو ملک شاہ کے بے ادب سندھی امراؤں کے سر دل پر ہاتھ کی اچھی سی ٹھونک بتاؤں۔

پہلا امیر۔ (غازی خان کو نزدیک بلا کر) واہ وا میاں پٹھان میں تلوار۔ غازی تو ایسا پاجی ہے۔ کہ تجھے دائمی رکھنے کے لئے قاضی بنانا چاہیئے۔

(یوں کہہ کر دھپا مارتا ہے۔ غازی جھنجھلا کر اسے ٹھوکنے کو جاتا ہے۔)

دوسرا امیر۔ اے سور اسردار۔ خبردار۔ رہنا استوار۔ میں تیری پیٹھ سنبھالتا ہوں۔

(غازی خان کو دھپا مارتا ہے۔ غازی خان اس کے مقابل ہوتا ہے اتنے میں تیسرا امیر اس کو دھول چکر لگاتا ہے۔ اور ہنسی ہنسی ہو جاتی ہے۔ اتنے میں وزیر داخل ہوتا ہے۔)

وزیر۔ یہ کیا بے ادبی بھرا تماشہ۔ یہ دربار ہے۔ کہ بھٹیار خانہ۔ کم بخت غازی خان! یہ سب تیرا گھمسان اور طوفان ہے۔ کبھی ایسا پھر دیکھوں گا تو جھٹ تجھے قید خانے میں بھجوا دوں گا۔

غازی خان (دل میں) دیکھا یہ ظلم۔ مفت میں دھپوں کی مار۔ وزیر کی گار۔ درباریوں کی پیزار۔ اس میں بجتا ہے میرا بار۔ یہ کیسا کھا جائے۔ کچھ پروا نہیں۔ میں نے

بھی ٹھاٹ بنا رکھا ہے۔ نقطہ شاہ کے آنے کی دیر ہے۔ دیکھیں تو سہی پیچھے دھڑ۔ ایک دھپتوں کا ایک ایک بدلہ لوں گا۔

(اتنے میں نقیب پکارتا ہے)

نقیب۔ نگاہ رکھیو۔ نگاہ۔ نواب عالی جناب۔ عزت مآب۔ جہرتاب ملک شاہ کے مبارک قدم پر!۔

(بادشاہ دبدبے سے داخل ہوتا ہے۔ اس کے پیس وبیش کوتوال نادیوں اور درباریوں حاضر ہیں۔ رامش گر بیا بھی ساتھ ہیں)

ملک شاہ۔ آپ سبھوں بخیر و عافیت ہو؟۔

غازی خان۔ (کچھ گم صم) جہاں پناہ کی دولت سے سب امن وچین لیکن ایک بات نئی ہے۔ آج سے بندے کو غازی خان کے بدلے دھپتے خان کا القاب ملا ہے۔ خداوندا میرا گھر دھپوں کے دھکاروں سے وعقدر کے دھقیلا ہو رہا ہے اور اس کے خشک نشے سے یہاں سے وہاں چکری کھاتا ہے۔ نامور شاہ۔ وہ دلیر بادشاہ زادی خورشید کی یاد میں جب یہ رامش گریں گاتی تھیں۔ تب ہمیشہ تال سر کے سازی فریاد اٹھاتی تھیں۔ لیکن اپنے یہاں اچھا ساز موجود ہے۔ اس کی آکسی نے اب تک خبر نہ لی تھی۔ آج اپنے دربار کے امیروں نے طبلچی بن کے میرے سر کا طبلہ بنایا اور ہر ایک نے اس پر امتحان لیا۔ تو کیا خوب بات۔ اس طبلے پر تو ایسی تال بیٹھ گئی۔ کہ سب ہی خوشحال ہو رہے تھے۔ اتنے میں وزیر صاحب قدم فرما ہوئے۔ اور انہوں نے بھی میرے طبلے پر ایک زیادتی تھاپ دے کر ایک اچھا سخنوں کا گانا گا لیا۔

وزیر۔ (بازو سے) دیکھو کم ذات سوتے سانپ کو جگاتا ہے۔

اے غازی! بھلے آدمی۔ خورشید کا نام مت یاد دلا۔

غازی خان۔ (دل میں) سانپ کو جگاتا۔ بچے جیو۔ یہا اژدہا کے منہ سے تم کو ڈسوا کر ایک ایک دھپتے کا جھنگا دام لوں گا۔ خانگا کے ہاتھ میں داؤ کی بازی آئی تو پھر بندہ خواجہ قاضی بنے گا۔

ملک شاہ۔ کیا دماس کہتا غازی؟

غازی شاہ۔ جہاں پناہ! دماس یہ ہے۔ کہ آج کے دن رامش گریں گاتی کیوں نہیں! جو گانے لگیں تو میرے سر کی ذرا سی آزمائش ہو دے اور آپ کے حضور میں وہ کیسا بجتا ہے۔ اور ان سبھوں میں کونسا طبلچی خوب بجاتا ہے۔ وہ بھی دیکھ لینے میں آ دے۔

(سب کوئی ہنستے ہیں۔ اور رامش گریں خورشید کی تعریف میں یہ گانا گاتی ہیں)

رامش گریں۔

غزل

تجھ مکھ کی تاب دیکھ کے ہوا ہے قمر ادھک
جلتا ہے بزم عشق میں پروانہ وار ملک
از بس کہ تجھ خیال میں اے چشم خوں فشاں
انتظاری سے ہوتی ہے۔ انکھیاں بے زار ملک
آ بزم عشق میں سشتابی اے خورشید
ہر شب تیرے فراق میں ہے اشکبار ملک

غازی خان۔ (بادشاہ کو) آج شادی کے ہنگامے میں ذرہ سا غمی زہر ڈالنے کی مرضی ہوتی ہے۔ جب بندہ آپ کا غلام نمک خوار ہے۔ تو مجھے لازم ہے کہ آپ سے کچھ بھی چھپانا نہیں ایک بات پیچھے سے جان جائے۔ یا پہلے سے۔ دونوں ایک ہی ہے۔

ملک شاہ۔ خوش طبع غازی! تجھے غمی کا ہے کی؟ کچھ کم بیش تجھے ٹھہرا کیا تجھے خورد و پوش کی تنگی ہے؟ بول دے۔ ہے کیا؟

غازی خان۔ خداوندا! آپ کے امور دولت کھانا کھلاتے ہیں تو بڑے بہادر ہیں۔ لیکن سستی اور کاہلی انہیں کا خواص ہے۔ نہ کسی کا خوف نہ کسی کی سرکار۔ نہ آپ کی بھی نہیں۔ (دل میں) دیکھو اب نالکا دل کے منہ۔

ملک شاہ۔ مقدور نہ کس کی میری دو کار نہ کرے۔ اور خوف سے نہ ڈرے۔

غازی خان۔ (دل میں، اب آگ سلگی ہے۔ بادشاہ سے۔ خداوند جہاں اگر میں کہہ دوں۔ اور خدا نخواستہ خاطر آپ کی آزردہ ہو جاتے تو؟

ملک شاہ۔ کچھ پروا نہیں کہہ دے۔

غازی خان۔ تب تو سن لو غریب پرور! جو سارے ہندوستان بلکہ سارے جہاں میں مشہور۔ مانند حور خورشید۔ جس کی صفت و تعریف پر آپ غائبانہ مبتلا ہو۔ جس کو ہاتھ لانے کے لئے ہزاروں تدبیر اور بہت سی محنت و شفقت آپ کرتے تھے۔ وہ نازنین آخر کنجوں کے مول سے چند روز ہوئے بیچی گئی اور ایک سوداگر بیچ لے گیا۔ حیف ہے کہ آپ کی اتنی دولت و حشمت کے ساتھ آپ بے نصیب رہے۔ سچ پوچھیے تو دربار کے کارداروں کی اس میں بڑی سستی اور غفلت ہوئی ہے۔

ملک شاہ۔ کیا خورشید بیچی گئی! اور سوداگر نے خرید لی۔ اور تم لوگوں نے بیٹھ کر دیکھا کیا۔ تم نمک حراموں نے مجھے کچھ خبر بھی نہ دی۔ حیف صد حیف میری امید ٹوٹ گئی۔ اور حرمت فنا ہوئی۔ ایک گوہر نادر ہاتھ سے گیا۔ شرم و لعنت ہے۔ تم حرام خوروں پہ۔ اتنے کام میں بھی بے دو کاری۔ اب تم احمقوں کا اس دربار میں کیا کام؟ میں تاکید سے فرماتا ہوں۔ کہ کیسا بھی کر سارا جہاں پھرو۔ وہ خورشید کو سوداگر کے ہاتھ سے تین دن میں لا کر حاضر کرو۔ گر نہیں تو خاطر جمع رکھو۔ کہ تمہارا جان و مال خوار و خوار اور گھر بار تو ڑ پھوڑ و تاراج کروں گا۔ تمہاری آل و اولاد کو چکی میں پسواؤں گا اور تم کو جلاد کے حوالے میں دوں گا۔ تمام شہر میں خون چلاؤں گا۔ شرم کرو۔

(اتنے میں خدمت گار ایک خوب نما چادر لے کر آتا ہے)

خدمت گار۔ (زمین بوس ہو کر) عالم پناہ! اجاب کی ڈیوڑھی پر ایک سوداگر یہ منقش دلکش چادر لے کر بیچنے آیا ہے۔ قیمت جس کی ایک لاکھ ٹکے کہلاتی ہے شہر میں کوئی قیمت پہچاننے والا نہیں ہے۔ تو وہ آرزو رکھتا ہے۔ کہ اس چادر کی شاہ زمان خریدار ہوں۔

(شاہ دیکھتا ہے)

ملک شاہ۔ آفرین۔ یہ کار آدم نہیں۔ لیکن جنات کا معلوم ہوتا ہے اور خوب غور سے ہرا پھرا کر دیکھتا ہے۔ اور تعجب ہوتا ہے۔ کبھی تو خوش ہوتا ہے۔ کبھی فکر مند۔ اور بعد وزیر کے ساتھ کان میں کچھ بھی بات چلاتا ہے اور چادر کو پھر سے دیکھتا ہے۔)

(خدمت گار کو) شتاب وہ سوداگر کو یہاں بلا۔

خدمت گار بلانے کو جاتا ہے۔ اتنے میں شاہ اور وزیر آپس میں مصلحت کرتے ہیں۔

غازی خان۔ (دل میں) چادر پہ چشم چونٹ گئی۔ اب دل میں چھین لینے کی تدبیر کرتے ہو۔ مالک بچارا مارا جائے گا۔ میں نے کہاں سے اس سدحال چوروں کے وہاں اتھا۔

فیروز سوداگر آتا ہے۔

ملک شاہ۔ اس چادر کے مالک کیا آپ ہی ہیں ؟

فیروز۔ ہاں جہاں پناہ !

ملک شاہ۔ تم نے کون سے بازار سے یہ خرید کی ہے ؟

فیروز۔ بندے نے کسی سے لی نہیں۔ میں خود اس کا مالک ہوں اور یہ کاریگری میری جورو کے ہاتھ سے بنی ہوئی ہے۔

ملک شاہ۔ کیا یہ کاردوزی آپ کی عورت نے کی ہے ؟۔

وزیر کے ساتھ مشورہ کرتا ہے۔

آفرین ان کے عقل و ہنر پہ۔ تم تو میاں بڑا قسمت دار۔ کہ ویسی عورت کے مالک ہو۔

غازی خان۔ (دل میں، چادر کی بات تو ایک بار ہو گی۔ اب تو نظر عورت پر بیٹھی ہے۔

وزیر۔ آپ کچھ اور بھی اسباب سوداگری کا رکھتے ہیں ؟

فیروز۔ نہیں صاحب۔

ملک شاہ۔ انگشتری دیکھیئے۔ بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔

فیروز۔ جہاں پناہ ! یہ بیچنے کی نہیں ہے۔ یہ بندے کو اپنی مہردار سے ملی ہوئی نشانی ہے۔

وزیر۔ آپ کی چیز آپ کو مبارک ہو۔ لیکن نامدار شاہ کو ذرہ دیکھنے دو۔

فیروز۔ با خوشی سے (انگوٹھی دیتا ہے)

ملک شاہ۔ (وزیر کے ساتھ مصلحت کر کے) واہ۔ کیا آبدار الماس ہے۔ اگر بیچنے کا ہوتا۔ تو منہ مانگی قیمت لے لیتا۔ اے نیک بخت سوداگر میرے ساتھ ذرہ سا محل میں چلو۔ میں اس چادر کو بیگم کو بتا کے کبھی پسند ہو تو مول چکا دوں (شاہ وزیر اور فیروز جاتے ہیں اور سب محفل سر جھکا کر چپ بیٹھتی ہے)

وزیر۔ (واپس آ کر) اے غازی اشتاب اٹھو۔ اور اللہ اکبر کی بندگی ادا کرو۔ اس رحیم کی کوئی کرامت غیب سے تم اپنی جان سے بچے۔ ایک جو سوداگر یہ چادر لے کر آیا تھا۔ وہ چادر دیکھتے ہی شاہ نے دریافت کر لیا۔ کہ وہ کام خود خورشید کے ہاتھ کا ہے۔ سبب اس میں کچھ رمز و اشارہ ہے۔ سوداگر کو محل میں بٹھایا اور گپ چپ خورشید کا نام مقام پوچھ کر اس کو باقریب بلانے کو بھیجی ہے۔ اے اٹھو۔ خوش حال ہو۔ (غازی خان سے) اب کے وقت تو یہ حرام زادے کا نتور تھام رکھو پیچھے دیکھ لیں گے۔

(سب کوئی سبحان اللہ کر کے اٹھ جاتے ہیں)

باب دوسرا۔

پردہ چوتھا

سندھ میں خورشید کا مقام

(خورشید اکیلی بیٹھی خاوند کی تعریف میں گانا گاتی اور پٹن بھرتی ہے)

خورشید۔

گانا

جس کو لذت ہے سجن کے دید کی
اس کو خوش بختی ہے صبح عید کی
مکھ کے اوپر زلف اے دریائے حسن!
موج ہے یہ چشمۂ خورشید کی
دل میرا موتی ہو تجھ بالے میں جا
کان میں کہتا ہے باتیں بھید کی

(ملک شاہ کی دایائیں داخل ہوتی ہیں)

ایک دایا۔ (عجب ہو کے دوسری سے) واہ! کیسی قبول صورت پری بیگم۔ صورت! گویا آفتاب عالم تاب خود نمودار ہوا ہے۔ اپنے شاہ کے حرم میں ایک بھی برابری کا کرنے والی اس کے تو نہیں ہے۔

دوسری دایا۔ پیچ ماہتاب جس کے دیکھنے سے بے تاب ہو جائے۔ ویسی ہے گھر کا نشان اور اپنا پتا تو برابر ملتا ہے۔ مگر اور بھی تلاش کرنا چاہیئے کہ خورشید یہی ہے۔

تیسری دایا۔ (خورشید سے) نیک بخت بانو! اس مکان میں سوداگر رہتا نہیں جو حال میں کسی شہر سے آ پہنچا ہے ؟

خورشید (تعجب سے، ہاں جی۔ کیوں ؟

تیسری دایا۔ ان کی نیک بخت عورت بھی یہیں رہتی ہو گی ؟

خورشید۔ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں ؟

تیسری دایا۔ ان کا نام خورشید بیگم نہیں ؟

خورشید۔ (زیادہ متعجب ہو کر) ان کے ساتھ کیا کام رکھتی ہو ؟ کچھ فرمائش ؟

تیسری دایا۔ تب وہ بانو کیا آپ ہی ہیں ! فیروز شاہ سوداگر نے اپنی نیک بخت جورو کا ڈھب چپ بتایا۔ وہ نشان آپ میں معلوم ہوتے ہیں۔

خورشید۔ تم کہاں سے آئی ہو ؟ اور کس نے بھیجا ہے ! اجی وہ سوداگر ابھی کہاں ہے ؟ اور آپ مجھے کیوں پوچھتی ہو ؟

تیسری دایا۔ نیک بخت بانو ! جو شخص چادر زر بیچنے بازار میں آیا تھا سو آپ کا خاوند ہے ؟

خورشید بیگم (گھبرا کر) ہاں کیا ہوا ؟ اس پر کچھ آفت و بلا آئی ! جلدی سے کہو تو۔

تیسری دایا۔ نامور خورشید ! مت گھبرا۔ آج اپنے بخت بلند کو یاد رکھو آپ کا خاوند خوش ہے۔ مبارک قدم فیروز شاہ چادر لے کر شاہ جہاں ملک شاہ کی ڈیوڑھی پر آ پڑا تھا۔ چادر دیکھتے ہی بلند بخت شاہ نہایت خوش ہو گیا۔ اور

وہ سوداگر کا تمام حال واحوال دریافت فرما کر بہت سا تعجب ہوا۔ پھر اس کا نوجوان کے حال پر رحم لا کے امیر وزیر کو فرمایا کہ ایسے ہنرمند اور پاکیزہ تن جوڑے کو اپنے محل کے ہم سائے میں ایک عالی شان مکان دیو سے۔ اور آپ کو بادشاہ کا بالوؤں میں سرفراز کرے۔

شاہ کی خواہش سے آپ کے خاوند نامدار نے آپ کو یاد فرمایا ہے اور ہم داسیوں کو ساتھ ایک میانے کے جو دروازہ کے باہر کھڑا ہے بلانے بھیجا ہے۔ اے ماہ رخسار بانو! اب بے خوف ہمارے سنگ چلو۔

خورشید۔ (اندیشے بیں) مجھے محل چہل اور امیرائی سے کیا درکار ہے؟ میں نے بہت سا راحت و آرام پایا ہے۔ اب میں دکھ کی ساتھی ہوں اور فقط اپنے جگر کے یار محبت دار خاوند کی محبت میں راضی ہوں۔ وہ نام آور ایسا نہیں ہے کہ خود وہاں بیٹھ کر مجھے تنہا بلواتے بھیجے۔ سچ تو یہ ہے کہ بجلی کی تجلی مانند اس کی محبت اڑاتی۔ مجھے یہ بات پر شک آتا ہے۔

تیسری دایا۔ آپ عقل مند ہو کر یہ کیا بولتی ہو؟ خاوند کے حکم کو حکم خدا بوجھنا چاہیئے۔ اگر وہ راضی تو خدا خوشنود۔ آپ ان کے مبارک دیدار کی دوری کا سے بے چین ہوتی ہو۔ کہ جب ایسا عزت مند اذن بادشاہ کی خاص دایاؤں کے ہاتھ بھجوایا۔ تب آپ نافرمانی کی نشانی بتاتے۔ یہ تعجبی بھرا ہے۔

خورشید۔ لیکن میری خاطر تسلی ہے۔ گر وہ میرا خداوند کبھی ایسا وفادار کرے وہ خود نہ آتے۔ اور بغیر پہچان والے تم لوگوں کو بھیجے۔

تیسری دایا۔ وہ آج سے ملک شاہ کے دربار میں روکا گیا ہے۔ شاہ اس پر اتنا خوش ہو گیا ہے۔ کہ ان کو ایک پل دور نہیں چھوڑتا۔

خورشید۔ اگر ویسا ہی ہوتا تو وہ میری خاطری کے واسطے کچھ بھی اپنی نشانی اوحال بھجواتا۔ وہ دانائی میں کچھ کم نہیں ہے۔

تیسری دایا۔ آفرین ہے تمہاری عقل و دانائی پر۔ سب نیک عورتوں کا سنگار فقط آپ ہی ہیں۔ (انگوٹھی نکال کر) اے ایماندار بانو! دیکھ لو اپنے خاوند کی یہ انگشتری۔ اس نے ادل سے یہ نشانی بہ دل دی ہے۔ ابھی تو آپ کی خاطر تسلی ہوئی یا نہیں۔

خورشید۔ (تعجب ہو کے چشموں سے لگا کر) ہاں یہ مبارک انگشتری اور یہ آبدار گوہر بے شک میرے خاوند کا ہے (بوسہ لیتی ہے) ہمیشہ ہمیشہ تو ان کی خوشنما انگلیوں میں جگہ رکھنا۔ سدا تو میری محبت کا چراغ ان کے دل کے فانوس میں روشن رکھنا۔

اے نوجوان مہربان۔ جب میرا بلبل دل تیری محبت کے پنجرے میں قید ہے۔ تب جیسے تو نچائے گا ایسے ناچوں گی۔ بھلی دائیو! چلو! با خوشی سے تمہارے ساتھ آتی ہوں۔ ہزار شکر پاک پروردگار کا۔ کہ وہ صاحب غیب دان ہم کو درجۂ قدیم سے زیر دیکھنے کو راضی نہیں ہے

(ایک میانہ لاتا ہے۔ اس میں خورشید بیٹھ کے ملک شاہ کے محل کی طرف روانہ ہوتی ہے۔)

باب دوسرا۔

پردہ پانچواں

ملک شاہ کا دیوان خانہ

شاہ اکیلا کھڑا ہے

ملک شاہ۔ فقط زرین پوشاک پہن! تاج مرصع سر پر دھر۔ تخت اوج پر بیٹھ۔ ہزاروں خواصوں۔ بے شمار نفروں۔ زبردست لشکر۔ زرنگار محل نقارے کی آواز۔ اور ہر طرف سے مبارکبادی سن کر لوگوں کو راضی رکھنے کے لئے بادشاہی کرنے میں کچھ بڑائی نہیں۔ یہ بادشاہی نہیں۔ لیکن گدائی۔ بلکہ راست بادشاہی وہ ہے کہ جس میں خود بادشاہ بے درکار۔ جو چاہے سو کرے۔ جس کے ایک ہی سخن پر ملک کی سلامتی اور آبادی لٹک رہی ہے۔ اپنے ملک کی تمام نازنینوں کا اکیلا وہی مالک ہونا چاہیئے۔ آج میں یہ درجۂ عالی پر پہنچا ہوں تو پھر وہ جوان خوبرو خورشید کو اپنے ہاتھ میں کیوں نہ لوں؟

وزیر (داخل ہو کر) بندہ نواز۔ بڑی خوش خبری۔ وہ خورشید کو لے کر آئے ہیں۔

ملک شاہ۔ آفرین۔ آفرین۔ شکار ہاتھ آیا نہیں۔ ابھی جلدی سے اس کے خاوند کو چادر کا مول اور انگشتری دے کر روانہ کر دو۔ اور شتاب وہ ماہ پیکر کو یہاں بھجوا دو۔ جاؤ جلدی سے بھیج دو۔ اب صبر کی شکتی زیادہ رہی نہیں۔

(وزیر جاتا ہے اور خورشید آتی ہے)

ملک شاہ۔ اے خورشید زمین! آپ کا آنا یہاں مبارک ہو۔ جو کہ خورشید آسمان سارے جہاں کو اپنی روشنی سے آراستہ کرتا ہے۔ لیکن مدت ہوئی یہ محل سرائے اس کے تیز پرتو سے ناامید تھا۔ مگر جیسے ہی آپ کا مبارک قدم یہ گھر میں آپڑا۔ کہ یہ سیاہ ہوا محل روشنی سے پر ہو گیا ہے۔

خورشید۔ نیک خلق شاہ! آپ نے مجھ کمتر کو بہت سی سرفرازی دے کر میرے سر کو آسمان سات پر پہنچوا دیا ہے۔ اتنی صفت مجھ مسکین کو ناسزا ہے۔ میں آپ کی بہت مہربانی کے جنگل میں تانی جاتی ہوں۔ کہ میرے خاوند کو حرمت و عزت بخش کے اپنی بارگاہ جلال میں سرفراز کیا۔ اور مجھے امیرزادی کا مرتبہ دیا۔ اب فرمانا کہ مجھے اپنے خاوند کے حضور لے جائیں یا ان کو ادھر بلائیں۔

ملک شاہ۔ خاوند! کون سا خاوند! میں تیرا خاوند۔ میں تیرا مالک۔ میں تیرا حفاظت کرنے والا۔ میں ہی تیرا دھنی۔

خورشید۔ (ہنس کر) مجھ غریب کی ٹھٹھولی کم تر کرو۔ البتہ مجھے پناہ دینے والا خاوند تو، خدا ہے۔ آپ بہ طریق رعایا میرا خاوند بہ طریق شاہ۔ لیکن محبت کا خاوند میرے سنسار سکھ کا خاوند تو فقط وہ سوداگر فیروز شاہ ہے۔

ملک شاہ۔ (لاڈ سے) شاہوں کو شاہ دینے والی خورشید۔ یہ تیری ہنسی پر قربان جان۔ تیری خوبروئی اور نیک خوئی کا بیان زبان سے باہر ہے۔ لیکن آپ کی زبان شیریں سے یہ کیا سخن؟ فیروز شاہ کون؟ وہ حضور میرے ایک غلام کے ہے۔

خورشید۔ سچ۔ وہ آپ بزرگوار کا غلام ہے۔ اور میں بھی آپ کی باندی ہوں۔ لیکن میرا تو وہ خاوند حق دار ہے۔

ملک شاہ۔ تو کیا دیوانی ہے؟ تو میری معشوق۔ میں تیرا سچا عاشق۔ تو میرے حرم خانے کی بانو۔ اب تو تیری زندگی میرے ساتھ لکھ چکی۔

خورشید۔ (ذرہ چونک کے) اے شاہ! جو بات کرنی اپنے درجے سے دور ہے۔ وہ کرنا لائق نہیں۔ میرے خاوند کو یہاں بلوانا۔ اگر نہیں۔ تو مجھے پیچھے روانہ

کرو۔ غیر جگہ پر پرائی عورت کو تنہا رکھنا مروت سے دور ہے۔

ملک شاہ۔ میری جان! بن ڈھیل میرے زنان خانے میں روانہ ہو۔ میں تیرا خاوند۔ تیرے حضور کھڑا ہوں۔ لازم نہیں۔ کہ وہ ایک کمینہ آدم تجھ سی شہزادی کو ہاتھ میں رکھے۔

خورشید۔ (گھبرا کر) شاہ! آپ کیا بولتے ہیں؟ جس نے میری خاطر اپنا مال و دولت تاراج کیا۔ جس نے میرے آرام کے لیے اپنی راحت کھودی۔ جو میری خاطر وطن سے بدر ہوا۔ اس کو مجھ سے چھڑانا منگتے ہو؟

اے شاہ! ہوش کو اپنی جگہ پر رکھو۔ کسی دوسرے کے ہاتھ نجس ہوئی عورت کو اپنے ہاتھ میں لینا ایک شاہ جہان کو نالائق اور ناسزا ہے۔

ملک شاہ۔ اے دل نواز۔ کون کہہ سکے تجھ سی نازنین کو نجس۔ کبھی ایک جواہر ایک مفلس کے ہاتھ پڑھا۔ تو اس سے اس جواہر کو کچھ کھا بن نہ لگے گی۔ بے مول چیزیں لائق بادشاہ ہیں۔ اگر وہ کوئی گدا کے پاس ہووے تو چھین لینا حلال ہے۔ جواہر بے بہا کی گدا کو کیا پہچان؟۔ جو چیز لائق جاہ ہو وہاں اس کو جگہ دینا مناسب ہے۔ پھر تجھ سی ماہ رخسار پری لائق بادشاہ ہے تجھے زنان خانے میں رہ کر رنگ ورانگ کرنا مبارک ہے۔

خورشید۔ پارہ کی عورت کے سنگ پریت کرنا بہت بُرا ہے۔ اور پرائی میراث پر ہاتھ ڈالنا گناہ عظیم ہے۔ جی جاوے تک یہ بد خیال سے پرہیز رہے۔ اور وہ صاحب غیب داں کو جو چیز ناپسند ہے۔ اس کا ڈر رکھیو۔

ملک شاہ۔ اے محبت پناہ! تو کیا بولتی ہے؟ دیو اور دیوتائی لوگ سب پر ناری عورت پہ تہمت ہو گئے ہیں۔ تو پھر میں تو آدم ہوں۔ اور کیا تجھ کو خبر نہیں کہ پرائی میراث پر بادشاہوں کا تو حق ہی ہے۔

خورشید۔ تب کیا مجھے دغا سے بلوا کر پھنسانا منگتے ہو؟ لیکن ایسا کبھی نہیں ہونے کا۔ تم شاہ ہو کے لائق اپنے کے عورت ڈھونڈو اور اس خیال باطل سے درگزر کرو۔

ملک شاہ۔ میرا سارا مدار تجھ پر ہے۔ میں شاہ ہوں۔ اپنے واسطے جو چاہوں گا سو کروں گا۔ (گردن پر ہاتھ رکھنے کو جاتا ہے)

خورشید۔ (ہاتھ جھٹکا کر) سنبھالو۔ ذرہ سنبھالو۔ بادشاہ کا رواج ایسا نہ ہوگا۔ ان کو اپنی رعیت عزیز ہے۔ اپنے دل سے رعیت اپنا فرزند ہے۔ رعیت کی بیٹی اپنی بیٹی سمان ہے۔ تو پدر ہو کر اپنی بیٹی پر کون نابکار بد نظر کرے؟ شاہ گویا رعیت کا آئینہ ہے کہ جس میں رعیت اپنی نیکی اور آبادی کی راہ دیکھ کر اس موافق چلے کھرا بدکار پاپی وہی شاہ کہ غیر عورتوں۔ جو کہ مانند اپنی بیٹی کے ہیں۔ اس کی پاک دامنی لوٹے۔

ملک شاہ۔ (غصے سے) اے بے ڈر! چپ رہ میں اپنا فرض اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ کچھ اندیشہ کر۔ اور جلد میرے تابع ہو۔ ساری دنیا کی بانو ہوگی۔ اگر نافرمان ہوگی۔ تو تیرا بد حال کروں گا۔ کہ تجھے بہ زور و ظلم تابع میں لاؤں گا۔

خورشید۔ (بہت غصے سے) تابع میں لائے گا۔ اے دوزخی! اے دغا خور۔ اے شوخ چشم۔ تو خدا کا بڑا گناہ گار ہے۔ تو نے مجھے دغا سے فریفتہ کر یہ دوزخ خانے میں بلوایا۔ اور بد نیت سے اپنی بد ہوس پوری کرنے کا ارمان رکھتا ہے تو غافل مت رہ۔ اگر میری پاک دامنی پر کچھ بھی انگلی لگائی۔ تو تیرے اوپر اپنی جان نکال ڈالوں گی۔ اور تجھے شہر بہ شہر رسوا اور فضیحت کروں گی۔ اور سارے جہان کے بادشاہوں میں شور مچا کر اظہار کروں گی۔ کہ اپنی فرشتہ سی شکل میں تو شیطان ہے۔

ملک شاہ۔ (غصے سے) اے دیوانی! اب تک کچھ بھی سمجھ۔ یہ میں آخری سخن کہتا ہوں۔ اگر اس پر تو عمل نہ کرے گی۔ تو پاک خداوند کی۔ فرشتوں کی۔ آسمان کی اور یہ تخت و تاج کی قسم سے کر کہتا ہوں۔ کہ ابھی میں تیرے خاوند کو تیرے چشم حضور ذبح کراؤں گا۔ اور تجھے قید کر بازور سے موم بناؤں گا۔ یہاں سے کب چھوٹے گی کہ دنیا میں شور مچائے گی؟

خورشید۔ (اپنے دل میں) اے کم بخت خورشید! اب تو مکار دیو کے ہاتھ پھنسی تو بھی۔ ابھی تو سنکٹ کی گرہ تدبیر کے ناخن سے کھولنا چاہیئے۔ ورنہ اس جگت میں پیارا فیروز مارا جائے گا۔

(ایک دم ہنس کر) اے خوش رفتار شاہ! عبث خفا مت ہو۔ اس میرے سخن کو اپنی توہین نہیں بوجھنا۔ میرا جی آپ پر فدا ہے۔ میں نے تو آپ کا امتحان لیا۔ کہ آپ مجھے بہ شوق و صدق دل سے چاہتے ہو کہ نہیں۔ کیونکہ وہ فتح شاہ نے بے وفا ہو کر میری حرمت لی۔ ویسا آخر تم سے نہ ہووے۔ سچ ہے۔ کہ گوہر آبدار کے آگے سیپ کی کیا منزلت! تو ایک مفلس کے ساتھ رہنے میں مجھے کیسے راحت ہو! آپ جاہ و جلال سے پور تو میں ایک حور۔ بے شک آپ کے لائق۔

ملک شاہ۔ شاباش۔ میرے دل کی امید بر آئی۔ خوشی سے آج میں دیوانہ ہوا آہ۔ چھاتی میں خوشی کے دھکے پر دھکے لگتے ہیں۔ خوشی سے کیا یہ پھٹ جائے گی اگر ساری دنیا کی آفت مجھ پہ آتر سے۔ اور اس وقت آج گھڑی کی خوش حالی میں یاد میں لاؤں۔ تو وہ تمام آفت بھاگ جائے۔ اب امید کی عمارت بندی پوری ہوئی آرام کے درخت پر کلی پھوٹ آئی۔ بہشت کی حوروں کا خوش آواز میں آج سنتا ہوں۔ اے فتنہ روزگار۔ چاند سا مکھڑا تیرا دیکھتے ہی عاشق تیرے جمال کا ہوا ہوں تو ابھی چل میرے حرم خانے میں۔ میں آج کے آج نکاح سے پیوند کرتا ہوں۔

خورشید۔ اے عزیز! اب اتنی شتابی مت کرو۔ میں نے آپ کی مرضی با خوشی سے قبول رکھی۔ تو چاہیئے۔ کہ تم بھی میری خواہش بر لانا۔ مجھے ایک قباحت ہے کہ اتنی شتابی سے ابھی کے ابھی اپنے خاوند کو چھوڑ کے تم نامدار کے ساتھ نکاح کروں۔ تو لوگ مجھے نفریں کریں گے۔ میرا نام بے وفا اور بدکار عورتوں میں لکھے گا۔ بہتری کے لئے میں آپ کے پاس سے چار ماہ کی ڈھیل مانگ لیتی ہوں۔ اتنی مدت مجھے یہاں سے دور رکھو۔ کہ اتنے میں سب چرچا کم ہو جائے گی۔ اور میں دست مبارک اپنا گردن مراد پر حائل کروں گی۔

ملک شاہ۔ اے گل عذار۔ تیری خواہش بہت سخت و دشوار ہے۔ چار ماہ کی درازی میرے سے کیسے کٹی جاوے گی۔ یہ مدت مجھے بہت دل تنگ کرتی ہے۔ لیکن ——

گر ناخوشی سے میری ہوتا ہے جی تیرا خوش
جس میں تیری خوشی ہو۔ میں خوش میرا خدا خوش

تو بہتر۔ اپنی چھاتی اوپر سنگ رکھ۔ چار ماہ کی مدت تک میں تجھے اپنے دریائی محل میں تنہا رکھتا ہوں۔ وہاں رہ کر با خوشی وقت گزار۔ میں تیرے حضور بہت سی داسی اور دایا رکھوں گا۔

خورشید! اب میں جاتا ہوں۔ اور تجھے دریائی محل میں بھیجنے کی تدبیر کرتا ہوں ایک بوسہ دے میری جان۔

(خورشید ہٹ جاتی ہے۔ ملک شاہ چلا جاتا ہے)

خورشید۔ (اکیلی۔ دل گیر اور غصے میں) پھٹکار تجھ پر اے رذائے غلام! اب تو دیکھے گا کیئے ہوئے اپنے پاپ کا بدلہ۔ اور ناپاک کام کا پچھتوا۔ اے بے مغز گدھا کبھی بھی امید مت رکھنا۔ کہ میں تیرے تابع ہوں گی۔ خورشید کو دو چیزیں عزیز ہیں فیروز یا موت۔

اے خورشید! تو اپنے خاوند کے حق سے بے ایمان ہو۔ اپنے نام و نسب اور حسن کو کلنک لگا لے گی؟ کبھی نہیں۔ عالم لوگ کہتے ہیں کہ بد دیانتی اور بے ایمانی کا وجود عورت ذات ہے۔ لیکن میں ثابت کروں گی کہ میں پاک دامن ذات اور نام فقط عورت رکھتی ہوں۔

باب تیسرا۔

پردہ پہلا

سندھ کا ایک حلقہ

(فیروز شاہ فقیر کے بانا میں)

فیروز۔ ظلم۔ ظلم! اے بدکار زمانہ ظلم۔ افسوس میرے اقبال کی روشنی پر سیاہ پردہ نمودار ہوا۔ آہ! اے خورشید مجھے چھوڑ کہاں گئی۔ جاوداں تک زندگی کی امید ٹوٹ گئی۔ ظلم کے جنگل میں بھولا پڑا۔ میرے اطراف میں اب سیاہ اور کانٹے دار ویرانہ پڑا ہے۔ کہاں جاؤں؟ کس سے کہوں؟ کیا کروں؟ اے بد آسمان تیرے گرداں کے چکر میں پسنے کو سارے جہان میں سے فقط میں ہی تجھے ملا تھا! بادشاہی درجے سے تو نے مجھے فقیر بنا دیا۔ خورشید۔ خورشید۔ تیرے لئے جاہ و جلال۔ دولت و مال خدمت گار۔ جان اور زندگی سب میں گنوائی اور تو مجھے چھوڑ کہاں گم ہو گئی؟ کیا تو بے ایمان ہوئی! کیا اپنی دامن لٹائی۔ اے جان! تیرے مثل نرمل۔ تیرے مانند سفید۔ تو پہاڑ پر جما ہوا برف بھی نہیں۔ مہربان خورشید۔ تابدار خورشید! روشن دل خورشید۔ اے خورشید۔ بس خورشید۔

(فیروز شاہ پکارتا ہے۔ اور لوگ اکٹھا ہو کر تماشہ دیکھتے ہیں)

پردہ دوسرا

سندھ میں ملک شاہ کا دریا محل

(خورشید دلگیر جیسی جھروکے پر بیٹھی اپنا غم کرتی ہے اور دور سے ایک جھاڑ پہ ایک چڑ رنگ چپ بھرا بیٹھا ہے۔)

خورشید۔ چار ماہ کی مدت تمام ہونے کو آئی۔ اب ملک شاہ ناصبر ہوا ہے۔ عزیز فیروز! مہربان فیروز۔ تیری بہت سی انتظاری کی۔ مگر تیرا نشان نابود ہوا اب سارے بدن میں دہشت سے تھلملہ آتا ہے۔ ننگ و ناموس لٹانے کا وقت نزدیک اور پاک دامنی لٹا کے پارسائی کے نام کو ناموسی نہ پہنچاؤں۔ فیروز کو دیا ہوا قول ہرگز نہ توڑوں۔ مہربان فیروز۔ الماس سی چشم تیری کا تیر ہر گھڑی سیاہ مغز میرے پر روشنی پھینک۔ مجھے اپنا قول یاد دلاتا ہے۔ اور سے قول میرا تو انسانی ہے۔ پر محبت تیری خدائی ہے۔ تیرے لئے جو جو بدنامیاں میں نے اپنے سر لی ہیں۔ وہ تیری ایک گھڑی کی بہک سے دھوئی جاوے گی۔

نہیں بھولتی تجھ کو اے میری جاں
کروں کیا کہ مجھ پر ہے قید گراں
پر اس قید میں بھی تیرا دھیان ہے
فقط تیرے ملنے کا ارمان ہے
تو اپنی جو صورت دکھائے مجھے
تو اس قید غم سے چھڑائے مجھے

(خود فیروز محل کے نزدیک آ پہنچتا ہے۔ اور ناتوانائی سے پاس کی ندی کے کنارے پر بیٹھ کر بولتا ہے)

فیروز۔ میری زندگی اس ندی کے موافق ہے جیسے اس آب کی جھلک گھڑی میں جاتی ہے۔ ویسی میری زندگی کی خوش حالی ہوا میں اڑ جاتی ہے۔ خوشحالی کے ساتھ اس کا نرمل پانی ایک بار جھکتا ہے تو دوسری دفعہ ہولناک دریا میں شتاب کھینچا جاتا ہے۔ بہار زندگی میری ذرہ سی شگفتہ ہوئی۔ نہ ہوئی کہ ستم کے تاب سے کھلا جاتی ہے۔ تب یہ زندگی کیا کام کی؟ ایسا دل درد جینا کیا بھلا؟ لیکن نہیں۔ زندگی کے گھر اور گھور کے بیچ زنجیر سے کیا ہوا مضبوط انترا ہے۔ میری قبر اور میرے بیچ خورشید کا پردہ ہوا ہے۔ وہ نہیں مرنے دیتی ہے یا نہیں جینے۔

نہیں مجھ کو مرنے سے کچھ اپنے ڈر
یہ غم ہے کہ تجھ کو نہ ہووے خبر
تجھے کاش اس وقت میں دیکھ لوں
جیوں میں اگر تیرے آگے مروں
کوئی دم کا مہمان ہوں آج کل
اسی جگہ میں جائے گا دم نکل

اے خداوند! اب تو دنیا کا تماشہ میں دیکھ چکا۔

خورشید! جب اخلاص کے مارے سے خلاص پایا ہوا پنچھی اپنے جوڑے کے لئے بھرایا کرے۔ اس مثال سے رات دن میں جھورتی ہوں۔ دلاسہ اور دلیری سے کوئی امید رہی نہیں۔ فقط غم بھرا سرود ذرہ سا جی بہلاتا ہے۔ اس کی شراب بار بار پی کر میں مست ہوتی ہوں۔

غزل

جدا کسی کا کسی سے کوئی حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
جدا جو ہم کو کرے اس یار کے کوچے سے
الٰہی راہ میں ایسا کوئی رقیب نہ ہو
علاج کیا کریں حکما تپ جدائی کا
سوائے وصل کے اس کا کوئی طبیب نہ ہو

(یہ گانا فیروز دھیان سے سنتا ہے اور ناصبری بتاتا ہے)

فیروز۔ یہ آواز کی اثر مجھ پر کچھ اور ہوتی ہے۔ مجھ سا کوئی کم بخت غم کے غار

میں غوطہ کھاتا ہے۔ مگر ایسے سوائے بادشاہی میں غم گینی! تب میں کون بساط میں ادسے میں بھی ایک شہزادہ تھا۔ لیکن گردشِ دنیا سے آج تفرگاہ ہوا ہوں۔ جب یہ جان نثار سرد دنے مجھے آستانہ راحت مستر کیا۔ تب میرے حلق سے کیوں نہیں؟ یہ غم گین دل کو میں بھی خوش کروں۔

غزل

کس مزے کے رنگ سے بن بن کے آتی ہے بہار
حسن کو اپنے عجب سج سے دکھاتی ہے بہار
کس مزے

چاندنی ہے مشجر ہے اور بادۂ گل رنگ ہے
گر نہیں خورشید کسِ کافر کو بھاتی ہے بہار
کس مزے

ماہتابی کے مزے ہیں۔ ہائے وہ خورشید نہیں
حیف اس کے ہجر میں کیا مفت جاتی ہے بہار
کس مزے

(اس گانے میں بار بار خورشید کا نام آنے سے خورشید چونکتی ہے۔ کھڑکی سے جھانکتی ہے اور فیروز زیرِ نظر پڑتی ہے۔)

خورشید۔ ارے میرے نام سے کون سر درد کرتا ہے۔ اور آواز اور صورت تو فیروز کی ہے۔ لیکن حال و احوال میں دیکھے تو غیر۔

ٹک ٹک دیکھتی ہے۔

سچ! یہ تو میرا جان فیروز۔ افسوس کیسا شکستہ۔ بچارے کا حال۔ میرے عزیز کو دیکھتے ہی ہر کہ سے چھاتی کیسی نکلتی ہے۔ اے بار خدایا! آج تیری بڑی مہربانی۔ غم خوار خورشید اٹھ۔ آج خوابیدہ بخت بیدار ہوتا ہے۔ کھویا ہوا گنج ملا

(بابانگ بلند سے فیروز کو پکارنے جاتی اچک کے)

اوہو۔ یہ تو میرے سے نادانی ہوتی۔ ذرہ صبر اختیار کرنا خوب۔ کوئی پنہاں توڑ سے میں اسے ظاہر کروں۔ مبادا جاتا تو نہ رہے۔

(ادھیری ہو کر کھڑکی سے اندر جاتی ہے)

فیروز۔ واہ کیسی ٹھنڈی سی لہکی۔ سب تشنگی بھول جاتا ہوں۔ غم گینی بھول جاتا ہوں۔ دنیا بھول جاتا ہوں۔ میری چھاتی کون سی خوش حالی کے دھڑاکے سے دھڑکتی ہے۔ قسمت بازی سلٹی ہونا لگتی۔ گویا حق تعالےٰ کی مہربانی کی جھپک معلوم ہوتی ہے۔

خورشید۔ (کھڑکی کے اندر آکر) اے دل بند! جگر پیوند فیروز!

(فیروز گھبرا کر اونچے دیکھتا ہے)

فیروز۔ (سامنے دیکھ کے چونک کر۔ شتاب کھڑا ہوتا ہے) یہ کیا! خواب ہے یا خیال۔ (جوش میں آکر) جانِ من خورشید! روشنی بخشندہ خورشید۔ اوہو کیسا معجزہ۔ آہاہا! ہاہا! مجھے گم ہوا گوہر ملا۔

خورشید۔ (ہاتھ کے اشارے سے) خاموش۔ ذرہ خاموش خاوند! یہ وقت چہ چاکا نہیں۔

فیروز۔ مگر تو کدھر ہو آئی پیاری!

(جھاڑ پر وہ غازی خان چور چھپا بیٹھا ہے)

غازی خان (اپنے دل میں) واہ! یہ دونوں کی جوڑی کہاں سے لگ گئی ہے۔

خورشید۔ عزیز! میں فریب کے پھانسے میں پھنسی ہوئی ہوں۔ اب زیادہ کہنے کا وقت نہیں۔ ذرہ سن لو۔ جب آدھی رات ہووے۔ تب ایک تیز گھوڑا اور مردانی پوشاک لے کر گپ چپ یہاں حاضر ہونا۔ اور چابک کا ایک اشارہ مجھے کرنا۔ میں جھروکے سے جلد نیچے آؤں گی۔ ابھی تو یہاں سے نکل جائیو!

فیروز۔ یہ بے حد خوش حالی ساری غم گینی کے پہاڑ کو اس پاک ندی میں ڈباتی ہے اب بجلی کی لپک مانند جاکر سب کچھ اسباب تیار کروں۔ اور میرے ہیرے کے ہار کو پیچھے گلے میں ڈالوں۔

اے خداوند کیسی عجیب الٹ پلٹ ہے۔

(فیروز جاتا ہے)

غازی خان۔ (اپنے دل میں) بچہ غازی ہاتھ تو ابھی آئی ہے بازی۔ کوئی فرتاج سے یہ نازنین ہاتھ آوے۔ تو کیا خوب۔ آج عقل آزمودہ کو دیکھوں کیا ہوتا ہے۔

انڈین شکسپیئر آغا حشر

"آغا حشر اپنے تخلص کے واحد مالک تھے۔ حشر اردو ڈرامہ کے سردار ہیں۔ اردو میں ڈرامہ رستم و سہراب ایسا ڈرامہ ہے جس پر تاریخ ادب قیامت تک ناز کرے گی"۔

یہ الفاظ حضرت مولانا ظفر علی خان مرحوم کے ہیں۔

اردو ڈرامے کے بالغ نظر نقاد اور مصنف جناب عشرت رحمانی اپنی ایک مرتب کردہ کتاب کے دیباچے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ حقیقت مسلم ہے کہ آغا محمد شاہ حشر کاشمیری اردو کے مایہ ناز ڈرامہ نگار اور شاعر تھے حشر نے ہندوستانی سٹیج کو ایسے وقت میں اپنی اصلاحی تحریروں سے سجایا اور چمکایا جبکہ وہاں پرستان کے شہزادوں اور پریوں کے گانوں اور فرضی شہنشاہیت کی ہنگامی دھوم دھام کے سوا کچھ نہ تھا۔ مولانا غلام الدین سالک نے خوب لکھا تھا کہ ---- آغا حشر کاشمیری برصغیر کے ان جلیل القدر فرزندوں میں سے تھے جن پر ملک ایک مدت تک ناز کرے گا۔ آپ ایک ایسے ادیب تھے جن کی سحر آفرینیوں سے اردو ڈراموں میں ایک نئی روح پیدا ہوئی اور ہمارا اسٹیج جو نہایت پست حالت میں تھا۔ آپ کی حشر انگیزیوں سے اس درجہ پر پہنچ گیا کہ آج ہم اس پر فخر کرتے ہیں ---- حشر کے کرداروں میں عورت نمایاں نظر آتی ہے۔ عورت جو ماں بھی ہے۔ بیٹی بھی ہے۔ بیوی بھی ہے۔ بہن بھی ہے۔ اور پھر اسی گروہ میں شفیق مائیں بھی ہیں اور ڈائنیں بھی ہیں۔ فرماں بردار بیٹیاں بھی ہیں اور نافرمان باغی بھی۔ وفا شعار بیویاں بھی ہیں تو خود غرض بے وفا شوہر کش بھی ہیں۔ چہیتی بہنیں بھی ہیں اور مطلب پرست عیارہ بھی۔ غرض کہ حشر نے عورت کو جگہ جگہ اس کے مختلف روپ میں پیش کیا ہے لیکن نتیجہ میں عزت عصمت، پاکیزگی، شرم و حیا، وفا شعاری اور حسن سلیقہ عورت کا اصل جوہر ثابت کیا ہے۔

آغا حشر کے ڈرامے رستم و سہراب کا انداز سب سے جدا ہے۔ اس میں فن اور ادب دونوں کا ارتقا اپنے عروج پر ہے۔ حشر کے ایک نقاد پروفیسر عباسی آغا صاحب کے فن ارتقا پر بحث کرتے ہوئے رستم و سہراب کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ میں شیکسپیئر اور ملٹن کے ماحول سے عدل کی ترازو طلب کرتا ہوں۔ ایک پلڑے میں وہ شیکسپیئر کے تمام ڈرامے رکھ

دی اور دوسرے پلڑے میں وہ رستم و سہراب کھیل کے ایک پہلو "عشق اور فرض" کو رکھ دیں پھر دیکھیں کہ کون سا پلڑا بھاری رہتا ہے۔ یقیناً وہ خود کہیں گے کہ حشر کا یہ آخری کارنامہ اس قدر بھاری ہے کہ کسی ترازو میں نہیں تولا جا سکتا۔"

اب ہم اردو اسٹیج ڈرامہ کے پارسی اور ابتدائی عہد کے بعد آغا حشر کے عہد کا نمائندہ کارنامہ اور آغا حشر کاشمیری کا غیر فانی شاہکار ڈرامہ "رستم و سہراب" آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ ہمارے ادب کے طلبہ اردو زبان کے پہلے اسٹیج پلے کے بعد آغا حشر عہد کے آخری کلاسیکل اور نمایاں پلے کو پڑھ کر اردو اسٹیج پلے کے بارے میں ایک نتیجے پر پہنچ سکیں اور کوئی رائے قائم کر سکیں۔ ایک ایسی رائے جو خالصتاً ان کی اپنی رائے ہو۔

رستم و سہراب

ڈرامے کا کردار

مردانہ

رستم۔ سرزمین فارس کا مشہور و معروف بہادر پہلوان۔
سہراب۔ رستم کا بیٹا صیغم توران
شاہ سمنگان
پیلسم۔ سردار
ہومان
بارمان
لشکر توران
شاہ افراسیاب۔ (شہنشاہ توران)
گستہم۔ سردار ایران
بہرام۔ قلعۂ سفید کی فوج کا غدار دشمن۔
ہجیر۔ قلعہ سفید کا دلیر محافظ۔
شاہ کیکاؤس۔ شہنشاہ ایران
طوس۔ سردار
گودرز ,,
سرداران لشکر۔ ایران و توران کے سپاہی۔ حاجب۔ دربان وغیرہ۔
چند دیہاتی۔

زنانہ

تہمینہ۔ شاہ سمنگان کی دختر سہراب کی ماں
گرد آفرید۔ قلعہ سفید کے سردار کی شیر دل دختر۔
سہراب کی محبوبہ۔ کنیزیں وغیرہ
مقام۔ قدیم ایران و توران۔

باب پہلا۔

سین پہلا

توران کا دلفزا جنگل

(رستم گھوڑے پر سوار خراماں خراماں آتا ہے)

رستم۔ دنیا کے لئے روشنی۔ پھولوں کے لئے مسکراہٹ۔ پرندوں کے لئے زمزمہ۔ دریاؤں کے لئے ترنم ریز روانی۔ سوئے ہوئے قوائے عمل کے لئے بیداری کا پیغام لانے والا آفتاب، افق مشرق کی پیشانی پر تاج زرافشاں کی طرح چمک رہا ہے۔ کتنا پُر جلال نظارہ ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آفتاب نہیں۔ ایک نورانی کتاب ہے۔ جس میں دنیا جاگتی ہے۔ جو اپنے ماضی کے خواب کی تعبیر پڑھ رہی ہے۔ ستاروں کے ملک سے آیا ہوا ایک نورانی فرشتہ ہے۔ جس سے کائنات کی ہر شے زندگی کی برکتیں مانگ رہی ہے آسمان کی مانند۔ اس زمین پر بھی ہر روز اسی طرح طلوع و غروب کے منظر دکھائی دیتے ہیں۔ انسانوں کی قسمت کا ستارہ۔ اور قوموں کے اقبال کا آفتاب بھی یوں ہی گمنامی کی رات کا سیاہ پردہ ہٹا کر شہرت کی فضا میں چمکتا۔ کامیابی کے سنہرے دنوں پر حکومت کرتا اور آخر دنیا کی یادداشت و تواریخ کے صفحوں پر، اپنے دھندلے یا روشن نشان چھوڑ کر شام فنا کی تاریکی میں غائب ہو جاتا ہے۔

دنیائے بے ثبات میں ہر شے ہے تیز گام
ہر دن کے ساتھ رات ہے ہر صبح کی ہے شام
رنگ زوال سے ہیں۔ رنگ گل بھی خار بھی
دھوکہ ہے اس چمن کی خزاں بھی بہار بھی

گھوڑے کی پیٹھ سے اترتا ہے۔

آفتاب کی سنہری کرنوں کے ساتھ چاروں طرف خوبصورتی اور رنگینی بکھری ہوئی ہے اور پرندوں کے ترانوں پر ہوائیں رقص کر رہی ہیں۔ زمین پر صبح کی روشنی پھولوں کی خوشبو اور ندیوں کے نغموں کا سیلاب بہہ رہا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگل قدرت کا سنایا ہوا ایک شعر ہے اور یہ سرخ و زرد پھول اسی شعر کے حسین استعارے ہیں۔

(پیار سے گھوڑے کی گردن تھپتھپاتا ہے)

میرے بچپن کے رفیق جوانی کے دوست جنگ کے وفادار ساتھی۔ وہ دیکھو ہرے بھرے درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں تمہارے لئے دور تک سبز مخمل کا دسترخوان بچھا ہوا ہے خوشبو میں نہائے ہوئے ہوا کے جھونکے بار بار تمہیں بلانے آ رہے ہیں۔ جاؤ ان کو قبول کرو۔ (گھوڑے کو چرنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔)

سردی گرمی بھوک پیاس کی تکلیفوں سے بے پروا ہو کر آسمان سے ٹوٹتے ہوئے تارے کی طرح جو فضا میں راستہ کھو گیا ہو۔ دو ہفتے سے شکار کے پیچھے جنگلوں اور پہاڑوں میں بھٹکتا پھر رہا ہوں بس تھکا ماندہ سفر دور دور ختم ہوئے، تھکے ہوئے جسم کو تھوڑا آرام دینے کے بعد آج ہی ایران روانہ ہو جاؤں گا (ڈھال کا تکیہ بنا کر لیٹ جاتا ہے)

نیند۔ پیاری نیند۔ تم فطرت کی لاڈلی بیٹی ہو۔ برکتوں کے ملک کی ملکہ ہو۔ آرام کی سلطنت کی شہزادی ہو۔

راہ میں بکھرے ہوئے کانٹوں کو ٹھکراتی ہوئی
آ۔ آ مسکراتی۔ پھول برساتی ہوئی
روح کو تسکین دو۔ اور جسم کو آرام دو
زندگانی کو خدا کا بہترین انعام دو

(رستم سو جاتا ہے۔ چند تورانی سردار جو ایران کی سیاحت سے واپس ہو کر اپنے وطن سمنگان کی طرف جا رہے ہیں۔ داخل ہوتے ہیں۔)

سردار نمبر ۱۔ دنیا کے عجائبات میں تم بھی ایک عجیب چیز ہو۔ بہشت کو دیکھنے کے بعد بھی کہتے ہو کہ بہشت خوبصورت نہیں ہے۔

سردار نمبر ۲۔ ہاں۔

سردار نمبر ۱۔ تب یقیناً تم ایران کے سفر میں آنکھیں ساتھ لے کر نہیں گئے تھے مجھے تو یہ محسوس ہوتا تھا۔ کہ جمشید اور فریدوں کی سرزمین میں نہیں گئے۔ کسی شاعر کے خیال کی رنگین دنیا میں سیر کر رہا ہوں۔

سردار نمبر۲۔ جس طرح موت اور زندگی۔ ظلمت اور نور۔ اہرمن اور یزداں میں ازل سے جنگ ہو رہی ہے۔ اسی طرح قدیم سے ایران اور توران بھی ایک دوسرے کی دشمنی کو اپنی زندگی کا واجب الادا فریضہ سمجھتے ہیں۔ ہم تورانی ہیں۔ تورانی کے گلے پر خنجر رکھ دو۔ تب بھی ایرانی کی تعریف نہ کرے گا۔

سردار نمبر۱ تعریف نہ کرے گا۔ کیوں؟

سردار نمبر۲۔ کیونکہ وہ ہمارے دشمنوں کا وطن ہے۔

سردار نمبر۱ ایرانی قوم تورانی قوم کی دشمن ہے۔ لیکن ایران کے پُرعظمت پہاڑ۔ خوبصورت شاداب جنگل پریوں کی زلفوں کی طرح لہراتے بل کھاتے ہوئے دریا ہمارے دشمن نہیں ہیں۔ کیا اس سفر میں تورانی سمجھ کر ایران کے آسمان نے تمہیں اپنے سورج چاند کی روشنی نہیں دی؟ ایران کے چشموں نے تمہاری پیاس نہیں بجھائی۔ ایران کی زمین نے تمہیں بیٹھنے سونے کی جگہ دینے سے انکار کیا؟

تم دشمنوں سے اپنے ہونٹوں کو سچ بولنے کی۔ اجازت نہ دو۔ لیکن میں توران کے شہنشاہ افراسیاب کے سامنے بھی بے خوف ہو کر کہہ دوں گا۔ کہ دنیا کا بہشت ایشیا ہے اور ایشیا کا بہشت ایران ہے۔

سردار نمبر۲۔ بس بس میں ایران کی تعریف میں قصیدہ سننا نہیں چاہتا۔ تم شاعر نہیں۔ سپاہی ہو۔

سردار نمبر۱ میں تمہارے جیسا چھوٹا۔ دل تنگ نظر پست خیال لے کر اس دنیا میں نہیں آیا ہوں۔ اچھے کو اچھا کہنا شاعری نہیں انصاف ہے۔ تم جتنے ایران کے دشمن ہو۔ اس سے زیادہ انصاف اور عقل کے دشمن ہو۔

سردار نمبر۲ تمہارے ضخط زہر کی طرح کڑوے۔ اور چھری کی طرح تیز ہیں۔ دمیان سے تلوار نکال کر) واپس لو۔ ورنہ اس کا جواب مجھے تلوار سے دینا ہوگا۔

سردار نمبر۱ تو اس جواب کا جواب بھی تلوار ہی کی زبان سے سننا ہوگا۔

دونوں ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہیں۔

سردار نمبر۳ (روک کر) یہ کیا تلوار اور طاقت کا ایسا ذلیل استعمال؟ کیا دنیا میں اب ہمارا کوئی دشمن نہیں رہا۔ کہ تلوار کو زنگ سے بچانے کے لئے ہم نے آپس ہی میں جنگ شروع کر دی۔ تورانیوں کے پاس حربہ۔ لشکر۔ دولت۔ طاقت۔ ہمت سب کچھ ہے۔ صرف ایک چیز اتفاق نہیں ہے۔ اسی لئے دشمنوں کے مقابلے میں ان کی ہر فتح شکست بن جاتی ہے۔ تلواریں پھینک دو۔ ٹوٹی ہوئی محبت کو جوڑنے کے لئے ہاتھ ملاؤ۔ جو قوم ہمدردی اور اتفاق کے ساتھ ایک دل ایک خیال ہو کر دنیا میں زندگی بسر کرنا نہیں جانتی۔ یاد رکھو۔ اس کی قسمت کے نوشتہ پر دائمی ذلت کی مہر ہو چکی ہے وہ آزاد دنیا میں غلامی کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ اور آخری سانس تک غیر قوم کی غلام رہے گی ——

گر دلوں میں اتفاق اور خواہشوں میں میل ہے
زندگی کی راحتوں کو فتح کرنا کھیل ہے
کامیابی کے لئے احساس حاجت چاہیئے
ایک ہو جاؤ۔ اگر دنیا میں عزت چاہیئے

(دونوں تلواریں میان میں رکھ کر ہاتھ ملاتے ہیں)

سردار نمبر۱ دوست۔ ندامت کے ساتھ میں اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہوں۔

سردار نمبر۲ یہ لڑائی نہ تھی۔ ہماری دوستی نے ایک لحظہ کے لئے تلواروں کی جنگ کا خواب دیکھا تھا۔

سردار نمبر۳ ہمیں شام ہونے سے پہلے سمنگان پہنچ جانا چاہیئے۔ تلواریں تیز کر چکے۔ اب قدموں کو تیز کرو۔

(آگے بڑھتے ہوئے سوئے ہوئے انسان پر نظر پڑتی ہے)

سردار نمبر۱ کون۔ انسان ہے۔ یا قدرت کے جلال۔ پہاڑ کی مضبوطی شیر کی ہیبت نے انسان کا جسم اختیار کر رکھا ہے۔

سردار نمبر۲ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ گوشت اور ہڈی سے گھرا ہوا طاقت کا سمندر نیند میں چھاتی پھلا کر آہستہ آہستہ سانس لے رہا ہے۔

سردار نمبر۱ اس کے چہرے کی طرف جتنا دیکھو۔ اتنا ہی تعجب بڑھتا ہے قدرت بھی پیدا کرنے کے بعد مدتوں حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھتی رہی ہوگی۔

سردار نمبر۳ (گھوڑے کو دیکھ کر) وہ دیکھو۔ ہرن کی آنکھیں مور کی گردن گینڈے کی چھاتی۔ چیتے کی کمر۔ ہنس کی چال۔ تمام خوبصورتیوں کو ایک آئینہ میں دیکھنا ہو۔ تو سامنے دیکھو۔

سردار۔ کیسا شاندار گھوڑا۔ گویا ہری گھاس پر جنگل کا بادشاہ گھوم رہا ہے:

سردار نمبر۲ اسے باندھ کر سمنگان لے چلو۔ بادشاہ کو نذر کریں گے۔

سردار نمبر۱ لیکن یہ چوری ہے۔

سردار نمبر۲ یہ چوری نہیں ہے۔ کیونکہ چور کو سزا ملتی ہے۔ اور ہمیں بادشاہ سے انعام ملے گا۔

(سب جاتے ہیں۔ رستم آہستہ آہستہ بیدار ہوتا ہے)

رستم۔ جس طرح گرمی کی گود میں دم توڑتے ہوئے کھیت بارش ہونے کے بعد زندہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جاگنے کے بعد سونا۔ اور محنت کے بعد آرام انسان کے جسم میں نئی زندگی اور نئی طاقت پیدا کرتا ہے۔ (اٹھ کر) آفتاب شہنشاہ کیکاؤس کے اقبال کی طرح بلند ہوتا جاتا ہے۔ اور اس کی دھوپ سختی کی ہمت کی طرح بڑھتی جاتی ہے۔ (گھوڑے کو پکارتا ہے) آؤ۔ آؤ۔ جنگ۔ سیر۔ سفر ہر جگہ ساتھ دینے والے دوست آؤ۔ ایران کا راستہ ہماری واپسی کا انتظار کر رہا ہے۔ تہمیں سنا۔ کہاں ہو؟ کیا دور نکل گئے؟ دیکھوں۔

(گھوڑے کی تلاش میں جاتا ہے۔ دو دیہاتی داخل ہوتے ہیں)

دیہاتی نمبر۱ گھوڑا تھا یا خوبصورت طوفان۔ اس کی نسوں میں لہو کی جگہ بجلی بھری ہوئی تھی۔

دیہاتی نمبر۲ اس کے جسم کے ہر جھٹکے کے ساتھ دو چار آدمی زمین پر گیند کی طرح لڑھکتے دکھائی دیتے تھے۔

دیہاتی نمبر۱ اور ہر لات پر دو چار پسلیوں کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

دیہاتی نمبر۲ جب گھوڑا اتنا بہادر ہے۔ تو اس کا مالک کتنا بہادر ہوگا! یہ کون آرہا ہے! ماتھے پر شکن۔ بھنوؤں میں کھنچاؤ۔ آنکھوں میں سرخی۔ چہرے پر غصہ کی تمتماہٹ۔ کیا اس جنگل کو اس کے جرم کی سزا دینا چاہتا ہے؟

(رستم واپس آتا ہے)

رستم۔ کہیں دکھائی نہیں دیا۔ کہیں پتا نہیں ملا۔ کیا میں یہ یقین کر لوں۔ کہ جس طرح انسان کو بڑھاپے میں تندرستی چھوڑ دیتی ہے۔ دوسری جگہ لیاقت سے زیادہ تنخواہ مل جانے پر آقا کو نمک حرام نوکر چھوڑ دیتا ہے۔ مصیبت آنے پر خوشامدی

مصائب اور جھوٹے دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح دنیا سے دغابازی سیکھ کر آج میرے رخش نے بھی مجھے چھوڑ دیا۔ نہیں نہیں یہ ناممکن ہے۔ پھر کہاں ڈھونڈوں کس سے پوچھوں؟ آسمان سے پوچھا۔ زمین سے پوچھا چشمے کی لہروں۔ ہوا کے جھونکوں جنگل کے درختوں سے پوچھا۔ لیکن کوئی جواب نہیں دیتا۔ سب چپ ہیں۔

سنو۔ سنو۔ درختو سنو۔ تمہارے ہی سبز سائے کے نیچے میری زندگی کا سایہ غائب ہوا ہے۔ اسے پیدا کرو۔ ورنہ اس جنگل میں آگ لگا کر تمہیں دھوئیں اور بربادی میں دفن کر دوں گا۔

زمیں کنیز میری ہے۔ فلک غلام میرا
اجل کی طرح ہے۔ بے رحم انتقام میرا
زمانہ جس سے لرزتا ہے۔ میں وہ رستم ہوں
نہیں سنا ہے تو اب سن لو مجھ سے نام میرا

دیہاتی نمبر ۱ یہاں سے نکل جاؤ۔ یہ آدمی بھوکے شیر کی طرح خوفناک ہو رہا ہے۔

(بھاگنا چاہتے ہیں۔ رستم انہیں روکتا ہے)

رستم۔ ٹھیرو۔

دیہاتی نمبر ۲ آپ آگ بگولے کی طرح گرم ہو رہے ہیں۔ ذرہ ٹھنڈے ہو بیٹھئے ہم لوٹ کر آتے ہیں۔

رستم۔ (زمین پر لات مار کر) میں حکم دیتا ہوں ٹھیرو۔ تمہیں موت کا حکم نہیں سنایا گیا۔ پھر کانپ کیوں رہے ہو؟

دیہاتی نمبر ۱ جناب کانپتا کون ہے؟ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ اس لئے ٹانگوں کو ذرہ سردی معلوم ہوتی ہے۔

رستم۔ (ڈانٹ کر) تم کون ہو؟

دیہاتی نمبر ۲ ہم۔ ہم۔ آدمی ہیں۔

رستم۔ (زمین پر لات مار کر) میں کب کہتا ہوں۔ کہ تم گھاس پتھر ہو۔

(دونوں خوف سے گر پڑتے ہیں)

دیہاتی نمبر ۱ گھر سے نکلتے وقت آج ضرور ہم نے کسی منحوس کا منہ دیکھا تھا۔

رستم۔ بزدلو۔ اٹھ کھڑے ہو۔ اور جو پوچھوں۔ اس کا جواب دو۔ اٹھتے ہو۔ یا۔ (گھونسا تان کر)

دیہاتی نمبر ۲ اٹھو بابا۔ ہم زمین سے نہ اٹھے۔ تو یہ ہمیں دنیا ہی سے اٹھا دیگا۔

رستم۔ تم دونوں کہاں رہتے ہو؟

دیہاتی نمبر ۱ اس جنگل سے تھوڑی دور۔ ایک گاؤں میں۔

رستم۔ تم قریب کے گاؤں میں رہتے ہو؟

دیہاتی نمبر ۲ جناب ہم دونوں غریب کسان ہیں۔ بادشاہ کے محل میں پیدا نہیں ہوئے۔ جنت کے لائق نہیں۔ جہنم میں جانا نہیں چاہتے۔ پھر گاؤں میں نہ رہیں گے۔ تو کہاں رہیں گے؟

رستم۔ تمہیں یہیں کے رہنے والے ہو تو ضرور دیکھا ہوگا۔

دیہاتی نمبر ۱ کسے دیکھا ہوگا۔

رستم۔ خبردار۔ میرے سامنے جھوٹ بولنے کی جرأت نہ کرنا۔ (گلا پکڑ کر) اقرار کرو۔

دیہاتی نمبر ۲ مگر گردن توڑنے سے پہلے یہ تو بتا دیجئے۔ کہ کس بات کا اقرار کریں۔

رستم۔ کہ تم نے میرے وفادار گھوڑے کو دیکھا ہے۔

دیہاتی نمبر ۱ ارے تو کیا وہ شیرنی کے دودھ سے پالا ہوا گھوڑا آپ ہی کا تھا۔

رستم۔ ہاں۔ وہ کہاں ہے؟

دیہاتی نمبر ۲ تورانی سرداروں کے قبضے میں۔

دیہاتی نمبر ۱ وہ اسے گرفتار کر کے اپنے بادشاہ کو نذر دینے کے لئے سمنگان لے گئے ہیں۔

رستم۔ تو بکتا ہے۔ جھوٹا ہے۔ پاگل ہے۔ ناممکن کو ممکن نہیں بنایا جا سکتا۔ طوفان زنجیروں میں نہیں جکڑا جا سکتا۔ بجلی رسیوں میں نہیں باندھی جا سکتی۔ دنیا میں کسی ماں نے ایسا جری بے خوف لڑکا پیدا نہیں کیا۔ جو رستم کے رخش نامی گھوڑے کی پیٹھ پر اپنی سواری کا زین کس سکے۔ تیری آنکھوں نے تجھے دھوکہ دیا ہے۔ اور تو مجھے دھوکہ دے رہا ہے۔

دیہاتی نمبر ۲ میں نہیں۔ سچ بات کا یقین نہ کر کے آپ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

رستم۔ تیری سچائی کا ثبوت؟

دیہاتی نمبر ۱ ثبوت اور گھوڑا دونوں آپ کو سمنگان میں ملیں گے۔

(چلے جاتے ہیں)

رستم سمنگان۔ کون سمنگان؟ توران کی ایک چھوٹی سی ریاست زمین کے نقشے میں ایک دھندلا سا نشان۔ دنیا کے جغرافیہ کا ایک حقیر نقطہ۔

(ڈھال اور گرز اٹھا کر)

دیکھوں گا۔ دیکھوں گا۔ سمنگان دیکھوں گا۔ دیکھوں گا۔ تیرے قلعے کی دیواریں تیرے بادشاہ کے تخت کے پائے۔ تیرے بہادروں کے دل اور بازو کتنے مضبوط ہیں۔ اپنے سپاہیوں سے کہہ دے۔ کہ اپنی کمانیں چڑھا لیں۔ اپنے ترکشوں میں تیر بھر لیں۔ پرتلی تلواروں پر سان دے لیں۔ تیرے آسمان کو لہو کی چھینٹوں سے اور تیری زمین کو لاشوں سے ڈھانک دینے کے لئے رستم آندھی اور طوفان بن کر تیری طرف آ رہا ہے اب دنیا میں فنا کا تاریک سایہ تیری آخری جائے پناہ اور بربادی تیرا آخری ورثہ ہے۔

پیے گا خون کہ غصہ ہے تشنہ لب میرا
کہیں پناہ نہ دے گا تجھے غضب میرا
گھرا ہے شعلوں میں تو بھی تیرا مقدر بھی
بجھا سکے گا نہ اس آگ کو سمندر بھی

(جوش و خروش کے ساتھ سمنگان کی طرف روانہ ہو جاتا ہے)

باب پہلا

سین دوسرا

شاہ سمنگان کا دربار

(ارکان سلطنت حاضر ہیں حبشی تاتاری غلام کندھوں پر شراب کی زر نگار صراحیاں اور ہاتھوں میں طلائی جام لئے ہوئے ہیں۔ شاہ سمنگان تخت پر رونق افروز ہیں۔)

شاہ سمنگان۔ سمنگان کے ستارو! تاج کے وفادارو! یہ دنیا ازل سے ابد کی طرف جانے والا ایک راستہ ہے۔ اس راستے پر خدا کے سوا خدا کی پیدا کی ہوئی ہر چیز سفر

کر رہی ہے۔ آج میری عمر کے مسافر نے بھی زندگی کے سفر میں اس سانس کی پچاس منزلیں طے کر لی ہیں۔

کل بڑھاپا بھی نہ ہوگا نوجوانی کی طرح
ساتھ دنیا کے بہے جاتے ہیں پانی کی طرح
کس طرف کو جا رہے ہیں ہم پتا کوئی نہیں
اس سفر کی ابتدا ہے انتہا کوئی نہیں

وزیر۔ حیات جاودانی دے خدا اس دار فانی میں
ہماری عمر بھی مل جائے تیری زندگانی میں

پیلسم۔ خوشی کا دن مسرت کا زمانہ بار بار آئے
ہزاروں بار یوں ہی اس گلستاں میں بہار آئے

(کنیزوں کا رقص۔ رقص کے بعد وزیر ادب سے بادشاہ کے روبرو اور ساقی امرائے دربار کے سامنے شراب پیش کرتے ہیں۔ اس وقت رستم غصے اور جوش کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔)

رستم۔ بس دنیا میں تمہاری خوشی کے دن ختم ہو چکے۔ پیالے پھینک دو۔ صراحیاں توڑ دو۔ اپنی ہنسی کو آنسوؤں میں غرق کر دو۔ (بادشاہ سے) تمہیں سمنگان کے بادشاہ ہو (درباریوں سے) تمہیں اس تخت و تاج کی حفاظت کرنے والے بہادر ہو۔ یہی ہاتھ ہیں۔ جو شیر کی کلائیاں موڑنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

کمانیں بھی ہیں ڈھالیں بھی ہیں۔ کندھوں پر تیر بھی ہے۔ مگر ثابت کر ان سینوں میں دل بھی ہے۔ جگر بھی ہے۔ بڑھو جو مرد کہاؤ آج اگر تلوار باندھی ہے۔ میں آیا ہوں کہ دیکھوں کون بجلی کون آندھی ہے۔

پیلسم —— شاہی دربار میں آج تک کسی نے اس جوش و دلیری کے ساتھ گفتگو کی جرأت نہیں کی۔ تم مظلوم ہو فریادی ہو۔ دیوانے ہو۔ کون ہو؟

رستم —— میں کون ہوں! اس تخت کے لئے زلزلہ۔ اس سلطنت کے لئے بربادی۔ اور تم سب کے لئے موت کی گرج گا۔

عدو کو پھونک دے وہ برق شعلہ فام ہوں میں
خدا کے قہر کا اک نقش انتقام ہوں میں
فنا کے ہونٹ سے نکلا ہوا پیام ہوں میں
اجل کے ہاتھ کی شمشیر بے نیام ہوں میں
یہ بزم عیش چمکتی ہے جو ستاروں سے
جلے گی اب میری تلوار کے شراروں سے

پیلسم —— ادب سیکھ۔ ادب سیکھ۔ یہ ہمارے بادشاہ کا انتہائی رحم ہے کہ ابھی تک تجھے اس گستاخی کی سزا نہیں دی گئی۔

رستم —— عورتوں کی طرح تمہاری زبان میں طاقت ہے۔ مگر مجھے سزا دینے کے لئے تمہارے بازوؤں میں طاقت نہیں ہے۔

ہستی ناچیز ٹھہرے گی فنا کے سامنے
شمع کی لو سر اٹھائے گی ہوا کے سامنے
گھاس کا تنکا سزا دے اور کیسے طوفاں کو
تم نے دیکھا ہی نہیں اب تک دلیر خاں کو

پیلسم —— بس اس سے زیادہ تحمل نہیں ہو سکتا۔ تیری گستاخی برداشت کی حد سے آگے بڑھ رہی ہے۔

زبان اور سر کٹا دیتی ہیں تیغ و تیز تقریریں
نہ لہرائیں کبھی ناگن کی صورت سر پہ شمشیریں
ہماری بھی رگوں میں زندگی کا خون بہتا ہے
سمجھ رکھا ہے کیا تو نے ہمیں بے جان تصویریں

رستم —— زمین پر اگی ہوئی گھاس جسے پیروں سے روندتا ہوا یہاں تک آیا ہوں میں اس سے بھی زیادہ تمہیں بے حقیقت سمجھتا ہوں۔ سنو۔ تم سمنگان کے شاہی دربار میں قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے مجرموں کی طرح میرے سامنے کی عدالت میں کھڑے ہوئے ہو اگر دنیا میں زندہ رہنے کی خواہش ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔ تو میرے غضب کے سامنے گھٹنے ٹیک کر سر جھکا کر ہاتھ جوڑ کر اپنے قصور کے لئے معافی اور اپنی زندگی کے لئے رحم مانگو۔

شاہ سمنگان —— اے شخص میں بڑی دیر سے تیری دیوانگی آمیز گستاخیوں کو حیرت سے دیکھ رہا ہوں۔ کسی مقدمے میں انصاف کسی قصور کی معافی کسی خدمت کا انعام بیان کر۔ تو کیا چاہتا ہے۔

رستم —— میں اپنا رخش نامی گھوڑا چاہتا ہوں۔ تیری سلطنت میں شریفوں کا چہرہ لگا کر پھرنے والے ڈاکو اسے تورانی سرحد سے چرا لائے ہیں۔ اگر تو نے آج ہی اسی وقت اسی جگہ اسے حاضر نہ کیا تو اس دنیا میں تیری ہستی اور اس زمین پر سمنگان دکھائی نہ دے گا۔

قسم خورشید کی نوری منارہ جس کے جلوں پر ہے
قسم مہتاب کی جو لشکر انجم کا افسر ہے
قسم ہے کہکشاں کی جو کمان چرخ اخضر ہے
قسم ہے آسمان کی جو شفق کے خون سے تر ہے
دکھائی دو گے یوں تم آب خنجر کی روانی میں
بہیں ٹوٹی ہوئی کشتی کے تختے جیسے پانی میں

شاہ سمنگان —— تو اس دعوے سے باتیں کر رہا ہے۔ گویا تباہی تیرے اشارے اور موت تیرے غصے کا نام ہے۔ انسان اتنا خوفناک نہیں ہوتا۔ میں تیرا نام جاننا چاہتا ہوں ——

رستم —— میرا نام سنتے ہی اس دربار کی دیواریں کانپ اٹھیں گی۔ یہ شراب اور غرور کے نشے سے سرخ چہرے زرد ہو جائیں گے اور آندھی کے تھپیڑے سے ہل گئے ہوئے درخت کی طرح تھرتھراتا ہوا تخت سے نیچے گر پڑے گا۔

دوزخ یوں لرزے گی گویا دب گئی ہے برف میں
اس قدر ہیبت ہے میرے نام کے ہر حرف میں
شور سے گونجا ہوا ہر شہر ہر ویرانہ ہے
نام میرا شیر کا اک نعرۂ مستانہ ہے

شاہ سمنگان —— چاہے تیرا نام سنتے وقت ہمارے کانوں کے پاس ہزاروں بادل ایک ساتھ گرج اٹھیں۔ پھر بھی ہم تیرا نام ضرور سننا چاہتے ہیں۔

رستم —— ان بازوؤں کی طاقت نے شہرت کی سنہری روشنائی سے ایران اور توران کے ذرہ ذرہ پر میرا نام لکھ دیا ہے۔ میں سام اور نریمان کا جگر بند زال و رودابہ کا فرزند زابلستان کا جوار فارس کا مددگار۔

شاہ کیکاؤس کے اقبال کی تنویر ہوں
فاتح ملک شجاعت مالک شمشیر ہوں
تیر و ترکش میرے خادم گرز ہے ہمدم میرا
کام ہے میدان نوازی نام ہے رستم میرا

(سب چونک پڑتے ہیں۔ شاہ گھبرا کر تخت سے اتر آتا ہے)

شاہ سمنگان۔ (تخت سے اترتے ہوئے) رستم۔ رستم۔ کیا وہی رستم جس کی شوکت مآب ہستی پر آج سارا ایران فخر کرتا ہے۔

رستم۔ ہاں۔ میں وہی رستم ہوں۔ گھوڑا دو۔ یا جنگ کرو۔ بولو زندگی اور موت دونوں میں سے کسے پسند کرتے ہو۔

شاہ سمنگان۔ نامور رستم۔ ایرانی اور تورانی تلواروں کے ٹکرانے کی جگہ شاہی دربار نہیں۔ میدان جنگ ہے۔ آئیے بیٹھئے۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ میں میزبان اور دوست کی حیثیت سے آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔

رستم۔ اس دنیا میں میرا سب سے بڑا دوست میرا وفادار گھوڑا ہے۔ جب تک وہ نہ مل جائے۔ میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھا سکتا۔

شاہ سمنگان۔ آپ دو روز کے لئے ہماری مہمانی قبول کیجئے۔ سمنگان سے رخصت ہونے سے پہلے آپ کا گھوڑا آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔

رستم۔ اپنا وعدہ پورا کرو گے؟

شاہ سمنگان۔ اگر انسان ہونے کا دعویٰ ہے۔

رستم۔ مہمان بنا کر دھوکہ تو نہیں دو گے؟

شاہ سمنگان۔ اگر کمینہ کہلانے کی شرم ہے۔

پیلسم۔ ٹھہریئے۔ جلالت مآب ٹھہریئے۔ اس تاج و تخت کی حفاظت کرنے والے جان نثاروں کی طرف سے سمنگان کی وفادار رعیت کی طرف سے تورانیوں کی حمیت اور غیرت کی طرف سے میں یہ سوال کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ کہ آپ کس کی مرضی سے توران کے سب سے بڑے دشمن کو اپنا مہمان بنا رہے ہیں۔

شاہ سمنگان۔ اس سوال کا مطلب۔

پیلسم۔ جس طرح رعایا اپنے بادشاہ کی اطاعت گزار ہوتی ہے۔ اسی طرح بادشاہ بھی ملک کی آواز اور رعیت کی مرضی کا تابع ہوتا ہے۔ جب تک بادشاہ اور رعیت کی مرضی میں اتفاق نہ ہو حکومت اور سلطنت کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔

شاہ سمنگان۔ میں دوبارہ پوچھتا ہوں۔ کہ ان لفظوں کا مطلب کیا ہے۔

پیلسم۔ آپ خودمختار اور آزاد نہیں۔ شہنشاہ افراسیاب کے ماتحت ہیں۔ اس لئے توران کے دشمن کو مہمان بنا کر دنیا میں تورانیوں کو بزدل اور بے ہمت ثابت نہ کیجئے۔ اس شرمناک جرأت کو نہ سمنگان کی رعیت معاف کرے گی۔ اور نہ توران کا شہنشاہ افراسیاب معاف کرے گا۔

رستم۔ افراسیاب۔ کون افراسیاب۔ وہی جو صدہا مرتبہ نامردی سے میدان جنگ کو ذلیل کر چکا ہے۔ جو کتنی ہی بار رستم کی تلوار سے زندگی کی بھیک مانگ چکا ہے۔

سرکشی میں جو فلک ہے۔ وہ مٹ جانے میں زمیں
جس میں ہمت ہے نہ غیرت جس کی دنیا ہے نہ دیں
دم بھرے اس کا جو تجھ سا بزدل و نامرد ہے
وہ تیرا افراسیاب ان ٹھوکروں کی گرد ہے

پیلسم۔ (درباریوں سے) جس کے پہلے لفظ پر تلواروں کو میان سے تڑپ کر باہر نکل آنا چاہیئے تھا۔ اس کی بدزبانی کا جواب دینے کے لئے ابھی تک تمہاری زبانوں اور ہاتھوں کو حرکت نہیں ہوتی۔ شرم ہے تم پر اگر دنیا میں یہ زندہ رہے۔ اس پر ٹوٹو — توران کا اقبال تابندہ رہے۔

(پیلسم اور اس کے ساتھی رستم پر حملہ کرتے ہیں۔ رستم حملہ آوروں کو شکست دینے کے بعد پیلسم کو زمین پر گرا کر خنجر نکالتا ہے۔)

تیسرا سین

سمنگان کی شاہی محل سرا

(شہزادی تہمینہ اور کنیزیں)

تہمینہ۔ نیلا آسمان۔ ہنستا ہوا چاند۔ جگمگاتے ہوئے تارے۔ کتنی حسین رات۔ دن کے سوتے ہی دنیا کی خوبصورتی جاگ اٹھی۔ یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ یہ درخشاں نظارے قدرت کی شاعری ہے اور رات چاندنی کی چادر اوڑھے ہوئے اس حسین شاعری کا مطالعہ کر رہی ہے۔

کنیز۔ اور مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سمنگان کی شہزادی کے حسن کا مقابلہ کرنے کے لئے نیلم کے تخت پر بیٹھی ہوئی رات کی ملکہ چاند کا آئینہ سامنے رکھ کر اپنے سیاہ بالوں میں تاروں کے موتی پرو رہی ہے۔

تہمینہ۔ تم نے میرے حسن کی تعریفیں کرنا کس سے سیکھا ہے؟

کنیز ۱۔ حسن کے معائب سے۔

تہمینہ۔ کون معائب؟

کنیز نمبر ۲۔ آپ کا آئینہ۔ وہی آئینہ جس کے اندر آپ کا چہرہ اس طرح نظر آتا ہے گویا چاندی کے چشمے میں سونے کا پھول تیر رہا ہے۔

تہمینہ۔ آئینہ تو خوشامدی ہوتا ہے۔

کنیز نمبر ۱۔ معاف کیجئے۔ وہ بدصورت چہرے کی کبھی خوشامد نہیں کرتا۔

تہمینہ۔ ارے بے وقوف۔ عورت کا حسن وہم کا خواب۔ خیال کی حماقت اور یقین کی دیوانگی ہے۔ وہ خوبصورتی جو عمر بڑھنے کے ساتھ کم ہو جاتی۔ ڈوبتے ہوئے دن کی روشنی کی طرح پھیکی پڑ جاتی اور بجلی کی طرح چمک کر پھول کی خوشبو کی طرح اڑ جاتی ہے میں اس آنی اور فانی خوبصورتی کو عورت کے ساتھ جوانی کا مذاق سمجھتی ہوں۔

جادو دلربائی ایک دھوکہ ایک سایہ ہے
یہ کچا رنگ مٹی کے کھلونوں پر چڑھایا ہے
کہاں کا حسن پاگل ہے جو اترائے جوانی پر
ہوا سے بن گئی ہیں کچھ لکیریں بہتے پانی پر

(ایک کنیز کا داخلہ)

کنیز نمبر ۳۔ حضور سنتے ہی اچھلیے گا۔ میں آپ کے لئے اس پرانی دنیا کی ایک نئی خبر لائی ہوں۔

تہمینہ۔ نئی خبر۔

کنیز نمبر ۳۔ جی ہاں۔ نئی اچھوتی۔ کنواری خبر۔ اس دنیا کے سارے جھگڑوں کی جڑ زن۔ زمین۔ زر۔ سلطنت کے لئے۔ عورت کے لئے لڑائیاں ہوا کرتی ہیں لیکن ایک گھوڑے کے لئے خون خرابہ ہوتے آج ہی دیکھا۔

تہمینہ۔ لڑائی ہوئی۔ کہاں؟

کنیز نمبر ۲۔ دربار میں۔

تہمینہ۔ کس سے۔

کنیز۔ ہمارے وزیر جنگ پیلسم۔ اور ایران کے سپہ سالار رستم سے۔

تہمینہ۔ ایران کے دربار کا زینت رستم۔ سمنگان کے دربار میں کیسے آگیا؟

کنیز نمبر ۲۔ اپنے کھوئے ہوئے گھوڑے کی تلاش میں۔

تہمینہ۔ تو لڑائی کی وجہ۔

کنیز نمبر ۲۔ انسانیت اور شرافت کا فرض سمجھ کر بادشاہ نے گھر آئے ہوئے قوی دشمن کو مہمان بننے کے لئے دعوت دی۔ اس دعوت کو پیلسم اور اس کے ہم خیال سرداروں نے توران کی بے عزتی سمجھی۔ اس بنیاد پر بات بڑھ گئی۔ اور ایک خوفناک جنگ شروع ہو گئی۔

تہمینہ۔ کہاں رستم اور کہاں سمنگان۔ تو ضرور کوئی خواب دیکھ کر آئی ہے۔

کنیز نمبر ۲۔ تلواروں کی فضا میں رستم کو بجلی کی طرح چمکتے ہوئے دیکھ کر مجھے بھی اس نظارہ پر خواب ہی کا دھوکہ ہوا تھا۔ لیکن حریف کو شکست دینے کے بعد جب رستم کو جہاں پناہ کے ساتھ آرام کے لئے محل کی طرف جاتے دیکھا۔ تب یقین ہوا کہ میں خواب نہیں دیکھ رہی۔ جاگ رہی ہوں۔

تہمینہ۔ وہ سمنگان میں کب تک رہے گا۔

کنیز۔ پرسوں شام تک۔ کیونکہ گھوڑے کو ڈھونڈ نکالنے کے لئے بادشاہ نے دو روز کا وعدہ کیا ہے۔

تہمینہ۔ میں برسوں سے رستم کا پُر جلال نام۔ اور اس کی جرأت اور دلیری کے عجیب و غریب قصّے سن رہی ہوں۔ جب دشمن بھی بے اختیار ہو کر اس کی بے مثال بہادری کی تعریف کرتے ہیں تو میں سوچ میں پڑ جاتی ہوں۔ کہ وہ کتنا اقبال مند اور کیسا شاندار آدمی ہوگا۔ جس کی شہرت نے تمام دنیا کو فتح کر لیا۔ جی چاہتا ہے۔ کہ ایک بار اسے چھپ کر دیکھوں۔ اور معلوم کروں۔ کہ دنیا اس کی اتنی تعریف اور اتنی عزت کیوں کرتی ہے؟

کنیز نمبر ۲۔ آپ رستم کو دیکھنا چاہتی ہیں؟

تہمینہ۔ اگر ممکن ہو۔ لیکن چھپ کر۔ اور وہ بھی صرف ایک بار۔

کنیز نمبر ۲۔ لیکن یہ خیال رہے۔ کہ رستم نے دنیا کو فتح کرنے کی قسم کھائی ہے۔ آپ بھی دنیا کی حسین ترین شے ہیں۔ محبت کی طاقت سے آپ کو بھی فتح نہ کر لے۔

تہمینہ۔ تو مجھ سے مذاق کرتی ہے۔

کنیز نمبر ۲۔ یہ مذاق نہیں۔ پیشین گوئی ہے۔ کیونکہ میں حسن و عشق کی قسمت کا حال بتانے والی نجومی ہوں۔

(کنیزیں ہنستی ہیں۔ تہمینہ شرم و حیا سے گردن جھکا لیتی ہے۔)

سین چوتھا

شاہی محل

(آراستہ خواب گاہ۔ رات کا وقت۔ خواب گاہ کی کھڑکیوں میں سے شہر سمنگان کے گھروں کی روشنی دکھائی دے رہی ہے۔ شاہ سمنگان اور رستم بیٹھے ہوئے ہیں۔ چند غلام قریب ہی ہاتھ باندھے حکم کے منتظر کھڑے ہیں۔)

شاہ سمنگان۔ پیلسم کی زندگی اسے واپس دے کر آپ نے ثابت کر دیا کہ جو بہادر ہوتا ہے۔ وہ رحم دل بھی ہوتا ہے۔

رستم۔ لیکن معافی ملنے کے بعد بھی پیلسم کا چہرہ حسد کی آگ کے دھوئیں سے سیاہ ہو رہا تھا۔ مجھے یقین نہیں۔ کہ وہ میرے رحم کی قدر کرے گا۔

شاہ سمنگان۔ اب رات کی آنکھوں میں بھی نیند کا خمار دکھائی دے رہا ہے اجازت دیجئے۔ کہ میں آپ کو شب بخیر کہوں۔

رستم۔ اس مہربانی کا شکریہ۔

شاہ سمنگان۔ میری دعا ہے۔ کہ آپ آرام سے سوئیں۔ اور مسرت کا خواب دیکھ کر ہنستے ہوئے بیدار ہوں۔

(غلاموں کے ساتھ جاتا ہے۔)

رستم۔ موت کیا ہے؟ ایک لمبی سانس۔ اور نیند کیا ہے۔ ایک مختصر موت۔ سونا اور مرنا دونوں ہی موت کی دو شکلیں ہیں۔ لیکن کیسے تعجب کی بات ہے۔ کہ انسان ایک کو آرزوؤں اور التجاؤں سے بلاتا ہے۔ اور دوسرے کا نام سنتے ہی خوف سے کانپ اٹھتا ہے۔

آسمان کے ہاتھ میں ہے چاند کا زریں ستار
گونج اُٹھے نغمہ راحت سے اس کا تار تار
رات تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ صبح ہے جانا مجھے
ہاں سناؤ اے ستارو۔ نیند کا گانا مجھے

(رستم سو جاتا ہے۔ پیلسم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ چوروں کی طرح دبے پاؤں داخل ہوتا ہے۔)

پیلسم۔ خاموش۔ آہستہ۔ پیروں کے نیچے کی زمین بھی تمہارے پاؤں کی آواز نہ سن سکے۔

ہمراہی نمبر ۱۔ ہاتھ میں چمکتے ہوئے خنجروں کی طرح ہمارے پاؤں بھی ہمارے قبضے میں نہیں۔ بڑھو۔

پیلسم۔ ٹھیرو۔ بڑھنے سے پہلے اپنی حمیت اور ہمت کا ایک بار پھر امتحان کر لو رستم کے ہاتھ سر دربار ذلیل ہونے کے بعد تم اپنی بے عزتی پر صبر کر چکے تھے۔ لیکن میں نے اپنی تقریر سے تمہاری مردہ حمیتوں میں جان ڈالی۔ تمہارے خون میں جو پانی بن گیا تھا۔ پھر سے سرخی اور گرمی پیدا کی۔ اور تم سب نے اپنی ذلت کا بدلہ لینے کے لئے تلواروں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی۔

ہمراہی نمبر ۳۔ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اپنی ذلت بھی یاد ہے اور قسم بھی۔

ہمراہی نمبر ۲۔ دنیا کا خیال ہے کہ سیاہ چیز پر کوئی رنگ نہیں چڑھتا۔ آج ہم اس خیال کو غلط ثابت کرنے کے لئے رستم کے خون سے رات کی سیاہ چادر کو سرخ بنانے آئے ہیں۔

پیلسم۔ تب جاؤ پہلے اس کے گرز اور ترکش پر قبضہ کر لو۔ (ساتھی رستم کا گرز اور ترکش اٹھا لیتے ہیں) دیکھتے ہو کس اطمینان اور آرام سے سو رہا ہے۔ دشمنوں کے ملک میں دشمنوں کی چھت کے نیچے تم نے کسی انسان کو اس طرح نڈر ہو کر سوتے ہوئے نہ دیکھا ہوگا۔ گویا یہ فیصلہ کرنے کے بعد سویا ہے۔ کہ دنیا میں اور سب کچھ ہے لیکن ڈر اور موت نہیں ہے۔

(چھری مارنے جاتا ہے)

ہمراہی نمبر۱۔ یہ کون تہمینہ! رستم کی خواب گاہ میں سمنگان کی شہزادی جس طرح اس کے باپ نے دشمن کو مہمان بنا کر سارے توران کو بے عزت کیا۔ اسی طرح یہ بھی جوانی کے نشہ سے اندھی ہو کر رستم کی آغوش میں اپنے آپ کو ذلیل کرنے آئی ہے۔

ہمراہی نمبر۲۔ ہم نے تو سنا تھا۔ کہ صورت کی طرح اس کی سیرت بھی حسین ہے۔

ہمراہی نمبر۳۔ چپ جاؤ اور سنو۔ اس کی باتوں سے اس کا ارادہ ظاہر ہو جائے گا۔

پیلسم۔ اگر یہ ناپاک ارادہ اور پراگندہ خیال لے کر آئی ہے۔ تو قسم ہے سمنگان کی عزت کی۔

نہ چھنے دوں گا کوئی نقش اس شاہی نگینے میں
یہ خنجر بھونک دوں گا سب سے پہلے اس کے سینے میں
ہزاروں کھیل دیکھے دیکھنا تم یہ تماشہ بھی
تڑپتا ہو گا رستم کی بغل میں اس کا لاشہ بھی

(سب چھپ جاتے ہیں۔ تہمینہ خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی ہوئی داخل ہوتی ہے)

تہمینہ۔ شرم اور دل کی جنگ کسی طرح ختم نہیں ہوتی۔ شرم کہتی ہے۔ لوٹ جا اور دل کہتا ہے۔ آگے بڑھ۔ (سوچتی ہے) اگر وہ جاگ کر پوچھ بیٹھا۔ کہ تم کون ہو کیوں آئی ہو۔ تو شرم سے سر جھکا لینے کے سوا اور کیا جواب دے سکوں گی۔ ہمت مجھے سہارا دے۔ (آہستہ آہستہ قریب جا کر رستم کو دیکھتی اور حیرت زدہ ہو جاتی ہے) کیا دیکھا۔ نیند کی انگوٹھی میں ایک بیش قیمت ہیرا۔ جو بہادری۔ نیکی۔ شرافت کی روشنی سے چمک رہا ہے۔ ایک زمین کا چاند جس کے سامنے آسمان کا چاند بھی کرنوں کا دامن پھیلا کر مردانہ حسن کی بھیک مانگ رہا ہے۔

تجلی صبح کی اور دبدبہ ہے بادشاہوں کا
یہ چہرہ دیکھنے سے نور بڑھتا ہے نگاہوں کا

(دوبارہ جھک کر غور سے دیکھتی ہے۔ رستم جاگ اٹھتا ہے)

رستم۔ (پلنگ سے دھیرے دھیرے اٹھ کر) آنکھو! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔

عجب چہرہ ہے جس کو حسن کی کرنوں نے گھیرا ہے
یہ جلوہ ہے کہ جادو چاندنی ہے یا سویرا ہے

(تہمینہ جانا چاہتی ہے۔ رستم روکتا ہے) ٹھیرو۔ اندھیری رات میں حسن کا چراغ لے کر آنے والی حسینہ تم۔ تم کون ہو؟

تہمینہ۔ اس سے زیادہ آپ کو جاننے کی ضرورت نہیں۔ کہ میں سمنگان کی ایک شریف لڑکی ہوں۔

رستم۔ تمہارا نام۔

تہمینہ۔ تہمینہ۔

رستم۔ اور جس کی زندگی کے باغ میں یہ حسین پھول پیدا ہوا ہے۔ اس باغبان کا نام۔

تہمینہ۔ شاہ سمنگان۔ (رستم چونکتا ہے) دوست اور دشمن ہر ایک کی زبان اقرار کرتی ہے۔ کہ آپ انسانوں میں عظیم ترین انسان اور دنیا کی پُرسطوت ہستیوں میں عجیب و غریب ہستی ہیں۔ آپ کے حوصلے اور جرأت کے قصے سن سن کر میرے دل میں مدت سے خواہش تھی کہ آپ کی زیارت کروں۔ آج وہ تمنا پوری ہوئی۔ اجازت چاہتی ہوں۔ (دھیرے دھیرے دروازے کی طرف لوٹتی ہے)

رستم۔ کیا میں وہی رستم ہوں۔ کتنا عجیب انقلاب۔ دنیا فتح کرنے والے کو آج ایک عورت کے حسن نے فتح کر لیا۔

(بے تابانہ)

یہی ہے جس سے ہر شے ہے حسین و زندگانی
کہاں سے لائی دنیا ورنہ حسن اتنا بہار اتنی
ستو ظیر دھلیں منہ پھیر کر کیوں خستہ جانوں سے
سمنگان کا یہی دستور ہے کیا مہمانوں سے

تہمینہ۔ سمنگان اچھی طرح اپنے مہمانوں کی عزت کرنا جانتا ہے۔ کیا یہ مہمانی آپ کے لئے تکلیف کا باعث ہوئی؟

ہو گیا بیگانہ کیوں آرام و ضبط و ہوش سے
پوچھئے یہ حال میری حیرتِ خاموش سے
جب سے میں جاگا ہوں لب ہیں اور آہ سرد ہے
جس جگہ پہلو میں دل تھا اب وہاں پہ درد ہے

تہمینہ۔ مرض سے بے پروائی مرض کا علاج نہیں ہے۔ اجازت دیجئے۔ کہ میں شاہی حکیم کو طلب کروں۔

رستم۔ روح کی بیماری کا علاج پیغمبر کرتے ہیں۔ جسم کی بیماری کا علاج حکیم کرتے ہیں۔

بس اب اس زندگی میں زندگی کا مدعا تم ہو
میرے غم کی شفا تم ہو۔ میرے دل کی دوا تم ہو

(تہمینہ کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ تہمینہ غصے سے جھٹکا دے کر)

تہمینہ۔ میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ تمہاری شرافت پر بھروسہ کرنا میری غلطی تھی یاد رکھو۔ اپنی عصمت و آبرو کی حفاظت کے وقت سمنگان کی ہر شریف لڑکی رستم سے زیادہ طاقتور ہے۔

رستم۔ (حیرت سے) یہ کیا؟ میری محبت کے پاک جذبہ کو تم شک کی نظر سے دیکھتی ہو۔ میں کمینہ نہیں۔ شریف ہوں۔ شریف۔ اپنے ہی خون سے اپنے جسم کو رنگ دے گا۔ لیکن ذلت کے دھبوں سے اپنے نام اور عزت کو کبھی داغ دار نہ کرے گا۔

تہمینہ۔ معاف کرنا۔ میں یہ سمجھی ۔۔۔۔

رستم۔ تم جو بھی سمجھیں۔ غلط سمجھیں۔ رواج مذہب اور شادی کے مقدس قانون کے مطابق جو لڑکی میری قسمت میں برابر کی شریک ہو کر زندگی سے موت تک میرے رنج و راحت کی حصہ دار ہو گی۔ اس کے سوا رستم ہر جوان لڑکی کو اپنی بہن اور بوڑھی عورت کو اپنی ماں سمجھتا ہے۔

کبھی ہو گا نہ داغِ جرم سے چہرہ خجل میرا
نہ گندی ہے نظر میری نہ ہے ناپاک دل میرا

تہمینہ۔ دنیا کی ہر دوشیزہ لڑکی آپ جیسے شریف اور بہادر کی لونڈی بننا اپنی

خوش نصیبی سمجھے گی۔ لیکن اس بات کو نہ بھولیے کہ میں تورانی ہوں۔ اور آپ ایرانی

رستم۔ تو کیا تم محبت کو ایران اور توران کے لفظوں میں قید سمجھتی ہو۔ محبت کا کوئی مذہب۔ کوئی قوم کوئی وطن نہیں ہے۔ محبت خدا کے رحم کی طرح ذات اور قوم کو نہیں۔ صرف دل کی خوبیوں کو پوچھتی ہے۔ محبت مذہبی تعصب بلکہ نفرت قومی دشمنی۔ فاتح غرور ہر اندھیرے کو سورج کی روشنی بن کر دور کر دیتی ہے۔ محبت پورب اور پچھم کی طرف بہتے ہوئے دو دریاؤں کو ایک بنا کر ایک راستے پر چلنے کے لئے مجبور کر دیتی ہے۔

محبت کی نگاہوں میں اندھیرا بھی سویرا ہے
نہ تورانی نہ ایرانی نہ تیرا ہے نہ میرا ہے
نئی تحریر لکھیں آؤ قسمت کے نوشتے میں
زباں سے ہاں کہو بندھ جائیں دو دل ایک رشتے میں۔

تہمینہ۔ اس بات کے جواب دینے کا مجھے اختیار نہیں ہے۔ ایشیا کی لڑکی شادی کے بعد شوہر کی۔ اور شادی سے پہلے باپ کے حکم کی اطاعت کرتی ہے۔

رستم۔ رستم اور تہمینہ کی شادی سے ممکن ہے۔ کہ آئندہ کے لئے ایران اور توران کو دوست بنا دے۔ اس لئے مجھے کامل یقین ہے۔ تمہارے صلح پسند والد اس رشتہ کو ضرور منظور کر لیں گے۔

نا امید دل کو نوید راحت و آرام دیں
ایک ہو کر آؤ دنیا کو نیا پیغام دیں

(تہمینہ شرما کر سر جھکا لیتی ہے۔ پیلسم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ پوشیدہ مقام سے باہر نکلتا ہے)

پیلسم۔ غافل ہے باندھ لو۔ (پیلسم کے ساتھی پیچھے سے رستم کو موٹی زنجیروں میں جکڑ لیتے ہیں)

تہمینہ۔ تم کون؟

رستم۔ یہ کیا؟

پیلسم۔ غرور کا جواب۔ توران کی ذلت کا بدلہ۔

تیری نخوت تیری تقدیر نے دھوکہ دیا تجھ کو
سمنگان کی زمیں پر لائی تھی تیری قضا تجھ کو
نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی ہم وطن ہوگا
زمیں تیرا جنازہ آسماں تیرا کفن ہوگا

رستم۔ احسان فراموش۔ دغا باز۔ جس طرح کتے کے سامنے روٹی کا ٹکڑا پھینک دیتے ہیں اسی طرح میں نے دربار میں تیری چھینی ہوئی تلوار۔ اور تیری حقیر زندگی رحم کر کے تجھے دے دی تھی۔ اگر تیری ماں کے دودھ میں غیرت کا ایک قطرہ بھی ہوتا، تو ذلت کو بے حیائی کی فتح سمجھ کر دوبارہ میرے روبرو آنے کی جرأت نہ کرتا ــــ

گیدڑ نے بھر کے روپ بھرا ہے دلیر کا
چہرہ لگا کے آیا ہے۔ گردن پہ شیر کا
آنکھیں ہیں لال خوف سے۔ کیوں رنگ زرد ہے
بے شرم تو شریف و جری ہے۔ نہ مرد ہے

پیلسم۔ اب یہ بکواس زنجیر کے لوہے میں نرمی اور اس دل میں تیرے لئے رحم پیدا نہیں کر سکتی۔

میری شرافت پہ کرے حملے دہن میں جب تک تیری زباں ہے
یہ لن ترانی یہ بد زبانی بجھی ہوئی آگ کا دھواں ہے

رستم۔ شرافت ان قدموں میں بیٹھ کر جن ہونٹوں سے اپنے بزدل اور ذلیل ہونے کا اقرار کر چکی ہے۔ ان ہونٹوں سے شرافت کے لفظ گو یے عزت نہ کر۔ کمینے تو اس دنیا میں ہی پیدا نہیں ہوا۔ جس میں شرافت اور شریف رہتے ہیں۔

بے غیرتی کی آگ سے دوزخ ہے دل کا گرم
بازو میں تیرے زور نہ آنکھوں میں تیری شرم
تو بھی کثیف ہے۔ تیرا دل بھی کثیف ہے
کتا گلی کا تجھ سے زیادہ شریف ہے

پیلسم۔ ہاتھی کو پکڑنے کے لئے جنگل میں گڑھا کھودنا۔ سامنے سے آتے ہوئے شیر پر دور سے تیر چلانا۔ بھیڑیئے کے پنجے میں پنجہ ڈال کر لڑنے کے بدلے دس قدم پیچھے ہٹ کر اسے برچھا مارنا۔ اگر یہ نامردی اور کمینہ پن نہیں ہے تو دشمن کو شمشیر کے بدلے تدبیر سے شکست دینا بھی دنیا میں شرافت کے خلاف نہیں ہے ــــ

فتح پانے کے لئے یہ آخری اوزار ہے
گرز و خنجر کی طرح دھوکہ بھی اک ہتھیار ہے

رستم۔ دھوکہ شیر دل شریفوں کا نہیں۔ لومڑی کا دل اور بچھو کی روح رکھنے والے کمینوں کا حربہ ہے۔ ایک شریف دغا اور فریب سے دشمن پر فتح حاصل کرنے کو فتح نہیں۔ اپنی شرافت کی شکست اور اپنی تلوار کی بے عزتی سمجھتا ہے۔

جری کو آبرو اور جان پیاری ہے کمینے کو
بہادر جانتا ہے موت بے شرمی کے جینے کو

پیلسم۔ اب تیرا جینا اور مرنا دونوں ہمارے قبضے میں ہیں۔ اپنی روح سے کہو۔ کہ جسم سے نکل کر موت کی پیشوائی کرے۔

(رستم کے سینے میں تلوار بھونکنے کے لئے بڑھتا ہے)

تہمینہ۔ خبردار۔ (پیلسم کی کلائی پر زور سے گھونسہ مارتی ہے)

پیلسم کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ جاتی ہے۔ تہمینہ تلوار پر پاؤں رکھ کر کھڑی ہو جاتی ہے)۔ انسانیت کی پیشانی پر شرم کے دھبے تو شیر کو دھوکے سے زنجیروں میں جکڑ کر اس کے خون سے اپنی ذلیل تلوار کے منہ پر بہادری کا غازہ ملنا چاہتا ہے۔ تف ہے تجھ پر۔ مجھے آج معلوم ہوا ہے۔ کہ سمنگان کی مائیں تیرے جیسے کمینے لڑکے بھی پیدا کرتی ہیں۔

چاہتا ہے تو کہ سر جھک جائے سارے ملک کا
نام رسوا کر رہا ہے تو ہمارے ملک کا
یہ فریب اتنا حسد۔ انسان کو انسان سے
یوں دغا کرتے نہیں حیوان بھی مہمان سے

پیلسم۔ بدکار۔ بد چلن۔ ملک کے دشمن کو اپنی عزت نذر کرنے کے بعد ہمیں ملک کی عزت کرنا سکھا رہی ہے۔

تہمینہ۔ بدکار۔ بد چلن۔ کیا کہا؟ موذی۔ نمک حرام۔ (غصے میں دوڑ کر

پیلسم کا گلا پکڑ لیتی ہے۔)

یہ بل یہ جوش یہاں تک بڑھا جنوں تیرا
میں پی کے چھوڑوں گی ان ناخنوں سے خوں تیرا

پیلسم۔ (گلا چھڑانے کے بعد) باندھ لو۔ (پیلسم کے دو ساتھی دو طرف سے تہمینہ کی کلائیاں پکڑ لیتے ہیں۔)

تہمینہ۔ (ہاتھ چھڑاتے ہوئے) چھوڑ دو۔ کمینو۔ مجھے چھوڑ دو۔ اس پاجی کو اپنے گندے منہ کے ہر لفظ کا ثبوت دینا ہوگا۔ میں اس سے اپنی عزت کا جواب مانگتی ہوں۔ کہنے جو کہا ہے۔ اسے ثابت کرے۔

مرد ہے تو اپنی غیرت کو ذرہ للکار دے
ایک تو تلوار لے اور اک مجھے تلوار دے

رستم۔ رعشت۔ بیوقوف۔ رحم و درگزر کو بھی مجبوری سمجھے ہیں۔ پیلسم میری برداشت پر غلط بھروسہ نہ کر۔ میں اور سب کچھ دیکھ سکتا ہوں۔ لیکن بچے کی تکلیف۔ بوڑھے پر ظلم۔ اور عورت کی بے عزتی کبھی نہیں دیکھ سکتا۔

پیلسم۔ دیکھنا ہی ہوگا جو کچھ ہے تیری تقدیر میں
دیکھنے ہی کے لئے باندھا ہے اس زنجیر میں
رستم۔ باندھ رکھنے کے لئے کافی یہ تدبیریں نہیں
گھاس کے تنکے ہیں یہ لوہے کی زنجیریں نہیں

(زنجیر توڑ کر گرز اٹھانے کے لئے دوڑتا ہے)

گرز ترکش کیا ہوئے۔۔ اچھا مرا ہاتھ تو ہے
ہاتھ میں حربہ نہیں پر ہاتھ میں طاقت تو ہے

(گرز نہ پا کر چھت کا کھمبا نوچ لیتا ہے اور اس سے پیلسم اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کرتا ہے)

(لڑائی ٹیبلو۔) پہلا ڈراپ ختم۔

باب دوسرا

سین پہلا

سمنگان کا شاہی محل

تہمینہ۔ امید اور انتظار میں ہوا کے جھونکے کی طرح زندگی کے سولہ سال گزر گئے۔ یا خدا عورت کا دل اتنا کمزور اور مرد کا دل اتنا بے رحم ہوتا ہے۔ عورت محبت کا نشہ پی کر تمام عمر ہوش میں نہیں آتی۔ اور مرد پیالہ ہونٹوں سے جدا ہوتے ہی اس شراب کی لذت اور سرور کو فراموش کر دیتا ہے۔

دل کی فضا میں برق سی چمکی نکل گئی
کیا دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی
پیارا تھا نشہ عیش و خوشی کا شباب تھا
شادی نہ تھی۔ وہ میری جوانی کا خواب تھا

باب دوسرا

سین دوسرا

توران کا شاہی محل

(امرائے سلطنت کے ساتھ جوش اور غصے کی حالت میں توران کے شہنشاہ افراسیاب کا داخلہ)

افراسیاب۔ توران کے سب سے بڑے دشمن رستم کو اپنا مہمان بنا کر اپنی بیٹی تہمینہ کا حسن و شباب نذر دینا۔ اس شادی کے شرمناک نتیجہ سہراب کی پیدائش کا حال پندرہ برس تک اپنے آقا اور شہنشاہ سے پوشیدہ رکھنا کیا مجرمانہ جرأت نہیں ہے۔ کیا یہ تورانیوں کی توہین اور شہنشاہِ توران سے کھلی ہوئی بغاوت نہیں ہے۔ سمنگان کے شاہی محل میں رہنے والے کی مصلحت تیری سفارش کر رہی ہے۔ اس لئے میری رگ رگ میں گرجتا ہوا غصے کا طوفان ایران کی تباہی تک خاموشی اختیار کرے گا۔ اس کے بعد تیرے لئے نہ معافی ہے۔ نہ زندگی ہے۔ ہومان۔ بارمان

ہومان۔ بارمان۔ (ہاتھ باندھ کر) ولی نعمت۔

افراسیاب۔ میرا حکم تھا۔ کہ تورانی لشکر کے بارہ ہزار بہادر سامان جنگ کے ساتھ سفر کے لئے تیار رہیں۔

ہومان۔ بارمان (ہاتھ باندھ کر) خداوندا!

افراسیاب۔ سمنگان کے بادشاہ کا نواسہ سہراب کیکاؤس کے سر کو شاہی تاج سے محروم کرنے کے لئے ایران کی سرزمین کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندنا چاہتا ہے۔ میرا حکم ہے کہ تم آج ہی سمنگان روانہ ہو جاؤ۔ سہراب سے کہنا کہ تم ایران کی چھاتی میں توران کی عزت کا جھنڈا گاڑنے جا رہے ہو۔ اس لئے توران کا شہنشاہ افراسیاب تمہاری کامیابی کے لئے دعا کرتا اور فتح یابی سے قبل ہی تمہیں ایران کی فتح کی مبارکباد دیتا ہے۔

ہومان۔ جہاں پناہ نے جو حکم دیا ہے۔ ہم دونوں غلام اس کے ایک ایک حرف کی تعمیل کریں گے۔

افراسیاب۔ سنو۔ قدردانی یا ہمدردی کے جذبے نے مجھے سہراب کی امداد پر مائل نہیں کیا۔ سانپ کا بچہ بھی سانپ ہوتا ہے اور بڑا ہو کر سانپ ہی کی طرح ڈستا ہے۔ رستم کی خونی طاقت کا وارث سہراب زندہ رہا۔ تو ایک دن وہ بھی توران کے تاجدار کے لئے دوسرا رستم ثابت ہوگا۔ ضرورت ہے۔ کہ پہلے جوان بیٹے کے ہاتھ سے بوڑھے باپ کو قتل کرا دوں۔ اس لئے کوشش کرنا۔ کہ میدان جنگ میں قسمت کا آخری فیصلہ ہونے تک باپ بیٹے ایک دوسرے کو پہچان نہ سکیں۔ سمجھ گئے۔ ہالیجاہ! دیوان خانے میں انتظار کرو۔ میں بہت جلد تحفے کی کشتیاں اور اپنا خط تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ سب کچھ بھولو۔ لیکن دو باتیں نہ بھولنا میرا حکم اور اپنا فرض۔

ہومان۔ بارمان۔ شاہی اقبال کی فتح (سر جھکا کر جاتے ہیں)

افراسیاب۔ (وزیر سے) سنئے جو میرا حکم۔ کہ آج سے ہر وقت گھوڑوں کی پیٹھ پر زین اور تورانی بہادروں کے جسم پر زرہ بکتر اور ہتھیار سجے رہیں۔ رستم کی موت کی خبر ملتے ہی میں بجلی کی طرح اپنی پوری طاقت کے ساتھ ایران کے سر پر ٹوٹ کر اس کے غرور کو ریزہ ریزہ کر دوں گا۔ اور وہی دن میری زندگی کا بہترین

دت ہوگا۔

وزیر۔ اعلیٰ حضرت یہ سلطنت کا قدیم نمک خوار حضور کی خیر خواہی اور ملک کی بہبودی کے خیال سے کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔

افراسیاب۔ عرض۔ عرض تو ہمیشہ عرض اور گزارش کی آڑ میں مابدولت کے جوش کو سرد کرنے کے لئے وعظ شروع کر دیتا ہے۔ بول۔ عرض کر لیکن یہ خیال رکھ کر ایران پر حملہ کر دو۔ اور کیکاؤس کو تباہ کر دو۔ ان دو جملوں کے سوا میں کچھ اور سننا نہیں چاہتا۔

وزیر۔ میری یہ عرض ہے۔ آپ رعیت کے مالک ہیں۔ لیکن آسمان کی گردش قسمت کی تحریر اور خدا کی مرضی کے مالک نہیں ہیں۔ یہی باعث ہے۔ کہ اپنی طاقت، اپنا خزانہ اپنی رعیت کے لاکھوں نوجوانوں کی زندگیاں برباد کر کے بھی آپ آج تک ایران کو تباہ نہ کر سکے۔ جب ایران کی تباہی خدا کو منظور نہیں ہے۔ تو ایران پر حملہ کرنا خدا کی مرضی سے جنگ کرنا ہے۔

افراسیاب۔ میرا دماغ پچھلی ذلتوں کی یاد سے دوزخ بنا ہوا ہے۔ اس لئے میں سہراب کو اپنا غضب ناک حربہ بنا کر ایران سے ضرور بدلہ لوں گا۔

وزیر۔ میں معافی مانگ کر پھر عرض کروں گا۔ کہ ملک اور سلطنت کی بہبودی اس میں ہے کہ جو کچھ ہے۔ اس کی حفاظت کیجئے۔ اور جو نہیں ہے۔ اور جو نہیں مل سکتا اسے زبردستی حاصل کرنے کا خیال ترک کر دیجئے۔

نہ زندگی ہے ہمارے بس میں نہ موت ہی اختیار میں ہے
کسے بنانا۔ کسے مٹانا یہ قبضۂ کردگار میں ہے
نہ رکھیئے ایران سے عداوت نہ ہوگا کچھ اور نہ ہو سکا ہے
ادھر ہیں آپ اور ادھر ہے قدرت ادھر شرر ہے ادھر غبار ہے

افراسیاب۔ میں خدا کی مرضی کو مجبور کروں گا۔ کہ ایران کی قسمت کی تحریر افراسیاب کے قلم سے دوبارہ لکھی جائے۔ افراسیاب کی غلامی ہی ایران کی آخری قسمت ہے۔

وزیر۔ جہاں پناہ! بادشاہ رعیت کا باپ ہوتا ہے۔ آپ باپ ہو کر اپنی رعایا کے بوڑھوں کو بے اولاد، بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بیوہ نہ بنایئے۔ رعیت کے خون پسینہ کی کمائی کا جو روپیہ آپ قہر و غضب کی نمائش فوج کی تیاری اور جنگ کا سامان خریدنے پر خرچ کر رہے ہیں۔ وہی روپیہ رعایا کے بچوں کی تعلیم۔ یتیموں۔ بیواؤں کی پرورش بھوکے کسانوں اور غریب مزدوروں کی ترقی و فلاح میں خرچ کیجئے۔

بچاتا ہے یہی دشمن کے حملوں اور بلاؤں سے
کوئی لشکر نہیں بڑھ کر رعایا کی دعاؤں سے
وہی ہے بادشاہ رکھتا ہے جو حربہ محبت کا
زمانہ اس نے جیتا جس نے دل جیتا ہو رعیت کا

افراسیاب۔ تیری پچھلی وفاداریوں اور خدمتوں کا خیال کر کے میں اب تک تجھے معاف کرتا رہا۔ لیکن اب دیکھتا ہوں۔ کہ تو میرے رحم کو غضب سے بدلنا چاہتا ہے۔

وزیر۔ خداوند نعمت۔ تنخواہ اور انعام کے روپوں سے اپنی جیبیں بھرنے کے لئے اپنے آقا کو غلط راستے کی طرف لے جانا خدمت نہیں ہے۔ بلکہ جان و مال سے بے پروا۔ ہو کر مالک کی بھلائی کے لئے سچائی کا آئینہ بنا کر اس کی بھول اس کے سامنے ظاہر کر دینا ہی حقیقی جاں نثاری اور سچی وفاداری ہے۔

جسے خدا سے خطر فرض پہ نگاہ نہیں
وہ زر کا یار ہے۔ مالک کا خیر خواہ نہیں
جہاں میں جھوٹ خوشامد ہی جس کا دھندا ہے
وہ صرف پیٹ کا کتا، غرض کا بندہ ہے

افراسیاب۔ معلوم ہوا۔ تو ضرور رشوت لے کر ایرانیوں سے مل گیا ہے۔ لے جاؤ اس دوست کے لباس میں چھپے ہوئے دشمن کو قتل کر دو۔ اگر یہ زندہ رہا تو اپنی نامردانہ باتوں سے تمام تورانیوں کو بزدل بنا دے گا (اچھا جاتا ہے)

وزیر۔ ظالم بادشاہوں سے تمام زندگی کی خیر خواہی اور وفاداری کا آخر میں یہی انعام ملتا ہے۔ ان مغرور کے بولتے ہوئے پتلوں کی نظر میں سچ بولنا دنیا کا سب سے بڑا جرم ہے۔ چوری۔ ڈاکہ۔ دھوکہ۔ قتل۔ بغاوت یہ ہر گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ لیکن سچائی کا جرم کبھی معاف نہیں کرتے۔ (سپاہی سے) چلو سچ بولنے کی سزا دینے کے لئے مجھے موت کی عدالت کی طرف لے چلو۔

ریت کی دیوار پہ بنیاد ہے ہر بات کی
بادشاہوں کی عنایت دھوپ ہے برسات کی

باب دوسرا

سین تیسرا

سمنگان کا شاہی محل

(شاہ سمنگان۔ تہمینہ۔ کنیزیں۔ بارمان اور ہومان موجود ہیں)

شاہ سمنگان۔ بیٹی۔ بادل کے کمان سے نکل کر زمین کی طرف آتا ہوا بجلی کا تیر اور سہراب کا ارادہ ہماری منتوں سے اپنا راستہ نہیں بدل سکتا۔ اس لئے اپنی ممتا کو اس کی سرکش مرضی کے ساتھ صلح کرنے کے لئے مجبور کرو۔

تہمینہ۔ ابا جان۔ میری زبان نے مجبوری سے اسے ایران جانے کی اجازت دے دی ہے۔ لیکن ممتا کی آگ سے جلتا ہوا دل ابھی تک اجازت دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔

ادھر کہتا ہے وہ ماں مجھ کو قسمت آزمانے دے
ادھر کہتا ہے دل میرا نہ جانے دے۔ نہ جانے دے
نہ وہ مانے نہ یہ مانے کروں کیا سخت مشکل ہے
ادھر بپھرا ہوا سہراب ادھر بگڑا ہوا دل ہے

ہومان۔ محترم بانو۔ توران کے شہنشاہ افراسیاب نے محبت کے تحفوں کے ساتھ تورانی فوج کے جو بارہ ہزار بہادر بھیجے ہیں۔ ان میں ہر سپاہی بارہ ہزار دلیروں کی طاقت کا مالک ہے۔ ان بارہ ہزار تورانی شیروں کے ساتھ آپ کا فرزند جب سرزمین پر قدم رکھے گا۔

سر جھکا دے گا زمانہ جبہ سائی کے لئے
آئے گی خود فتح بڑھ کر پیشوائی کے لئے

غم نہ کیجے آپ اس کے نیک و بد کے واسطے
قسمت و اقبال حاضر ہیں مدد کے واسطے

(سہراب کا جوش میں داخلہ)

سہراب۔ رستم کا فرزند اپنے بازو اور تلوار کے سوا کسی سے مدد کا طلب گار نہیں ہے۔ (بہرمان۔ بارمان سے) میں نے صرف ناشکرگزاری کے الزام سے بچنے کے لئے تاجدار توران کی فوجی مدد قبول کر لی ہے۔ لیکن سہراب تورانی لشکر کے اعتماد پر نہیں اپنی جرأت و طاقت کے بھروسہ پر ایران کے غرور کو للکارنے جا رہا ہے۔ خدا میرا محافظ۔ ہمت میری ہمدم۔ تلوار میری خادم۔ میدان جنگ میرا مسند اور کیکاؤس کا تخت میرے سفر کی آخری منزل ہے۔ اس سفر کے آغاز کا نام ہے استقلال اور اس سفر کے خاتمے کا نام ہے فتح۔

بارمان۔ ہمیں کامل یقین ہے۔ کہ آپ اپنے زور بازو سے غرور ایران کی تاریخ بدل دیں گے۔

سہراب۔ ماں۔ جس رستم کی پیدائش پر آسمان زمین کو مبارکباد دیتا ہے جس رستم کا نام سن کر بہادری غرور کے نشے سے جھوم اٹھتی ہے۔ اس رستم کا بیٹا ہونا میرے لئے شرم کا نہیں فخر کا باعث تھا۔ پھر آج تک میری حقیقت کو پردے میں رکھنے کی کیا وجہ تھی؟

دل میں رکھا راز۔ دنیا کو خبر ہونے نہ دی
شام گمنامی کی تم نے کیوں سحر ہونے نہ دی

تہمینہ۔ اس غصے اور رحم بھرے سوال کا جواب ماں سے نہیں۔ ماں کی ممتا سے پوچھ۔ تیری پیدائش کا راز ظاہر ہو جانے سے اندیشہ تھا۔ کہ تیرا باپ تجھے اپنے پاس بلا کر میری دنیا کی روشنی مجھ سے چھین لے گا۔ اور مجھ بدنصیب کی آنکھیں شوہر کے چہرے کی طرح بیٹے کی صورت دیکھنے کے لئے بھی بے رحم قسمت کے سامنے فریاد کرتی رہیں گی۔

نہ زہر گھول دے تقدیر میرے جینے میں
چھپا کے رکھا تھا اس سے یہ بھید سینے میں

سہراب۔ ماں رستم جیسا باپ اور سہراب جیسا بیٹا ان دو آفتاب و مہتاب کی موجودگی میں دنیا کو حقیر ستاروں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خدا اور دنیا کے سامنے کیکاؤس کو تخت سے اتار کر اپنے باپ کو ایران کا بادشاہ اور تمہیں ایران کی شہنشاہ بیگم بنانے کا عہد کر چکا ہوں۔ اس عہد کو پورا کرنے کے لئے اب تم سے آخری مرتبہ اجازت مانگنے آیا ہوں۔

تہمینہ (روتے ہوئے) سہراب۔

سہراب۔ یہ کیا ماں روتی ہو؟ روؤ نہیں۔ مائیں لائق کے لئے نہیں نالائق اولاد کے لئے روتی ہیں۔ تمہارا بیٹا عزت کی دنیا فتح کرنے جا رہا ہے۔ اس لئے یہ رونے کا نہیں۔ خوش ہونے کا وقت ہے۔ ہنستے ہوئے ہونٹوں سے اجازت دے کر مجھے میدان جنگ کی طرف رخصت کرو۔ سمنگان کے قلعہ کے دروازے پر فوج اور ایران کی زمین پر شہرت تمہارے سہراب کا انتظار کر رہی ہے۔

تہمینہ۔ سہراب! ایران کی سرزمین جادو کی زمین ہے۔ جہاں جاتے ہی انسان اپنے پیاروں اور پچھلی محبت کو بھول جاتا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد اپنے باپ کی طرح کہیں تو بھی غریب تہمینہ کو نہ بھول جائے۔

تیری صورت تیری باتیں میرے ودہی سہارے ہیں
تجھی کو دیکھ کر دنیا میں اتنے دن گزارے ہیں
کلیجے سے لگا لینے کو پاؤں گی کہاں تجھ کو
کرے گا کون ضد مجھ سے کہے گا کون ماں مجھ کو

سہراب۔ ماں۔ ماں۔ یہ کیا کہہ رہی ہو۔ تم میری نجات کا وسیلہ ہو میری زندگی کی برکت ہو۔

بھول جاؤں فرض کو ایسی نہیں اولاد میں
اپنی اک اک سانس سے تم کو کروں گا یاد میں

تہمینہ۔ اچھا تو خدا کی مرضی پوری ہو۔ (مہرہ نکال کر) یہ تیرے باپ کی دی ہوئی نشانی ہے۔ اس نے سمنگان سے رخصت ہوتے وقت تاکید کی تھی۔ کہ اگر لڑکی ہو۔ تو یہ مہرہ اس کے سر کے بالوں میں اور لڑکا ہو۔ تو اس کے بازو پر باندھ دینا۔

لا ہاتھ بڑھا۔ پندرہ برس سے آج ہی کے دن کے لئے اس محبت کی یادگار کی حفاظت کر رہی تھی۔ اس مہرہ پر نظر پڑتے ہی باپ بیٹے کو خون کو پہچان لے گا۔ (سہراب کے بازو پر مہرہ باندھ دیتی ہے۔)

میرے لال۔ تجھے سچے بہادر اور سچے سپاہی کا فرض سکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر بھی رخصت کرنے سے پہلے نصیحت کرتی ہوں۔ کہ ہمیشہ تلوار کو کمزوروں کا محافظ سمجھنا۔ ظلم کو ذلیل جاننا اور پیروں میں پڑے ہوئے دشمن کو رحم مانگنے پر معاف کر دینا۔

دیکھنا جرأت و طاقت پہ نہ الزام آئے
لب پہ شاباش ہو۔ سہراب کا جب نام آئے

سہراب۔ پیاری ماں۔ میں لوہے کے ہتھیاروں سے سج کر میدان جنگ کی طرف ناموری کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ یہ ہتھیار دشمن کی ہمتوں کو جسموں کو فوجوں کو قلعوں کو فتح کر سکتے ہیں۔ لیکن عزت اور شہرت پر فتح پانے کے لئے مجھے ایک اور حربے کی ضرورت ہے۔

تہمینہ۔ میرے بچے۔ وہ کونسا حربہ ہے؟

سہراب۔ (تہمینہ کے قدموں میں بیٹھ کر) ماں کی دعا۔

ہو نہ یہ حربہ تو پھر بیکار میرے ہاتھ ہیں
ساتھ ہے دنیا اگر ماں کی دعائیں ساتھ ہیں

تہمینہ۔ (سہراب کے سر پر ہاتھ رکھ کے)

دعائیں دیتی ہوں تجھ کو وقت خاص بخت یاور ہو
زمانہ پاؤں کے نیچے خدا کا ہاتھ سر پر ہو

باب دوسرا

سین چوتھا

ایرانی سرحد

(قلعہ سفید کا اندرونی حصہ)

(قلعہ کے رئیس گستہم اور فوجی سردار بیٹھے ہوئے غمگین نظروں سے سامنے کھڑے ہوئے بہرام کی طرف دیکھ رہے ہیں۔)

بہرام۔ امید آپ لوگوں کو دھوکہ دے رہی ہے۔ ہوا میں گرہ دینے کی کوشش نہ کیجئے۔ اپنی طاقت کا غلط اندازہ کرنا۔ یہ آپ کی پہلی غلطی اور سہراب کو معمولی لڑکا سمجھنا۔ یہ آپ کی دوسری غلطی ہے۔ خاموش ہوتے سے پہلے ایک بار پھر آگاہ کرتا ہوں۔ کہ آپ اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے سلامتی کا دروازہ بند کر رہے ہیں۔ وقت کی آنکھیں بدل چکی ہیں۔ سہراب سے جنگ کرنا۔ جنگ نہیں خودکشی ہے۔

گستہم۔ (سرداروں سے) مجھے اپنی رائے کے درست ہونے پر اصرار نہیں ہے میں نے جلسہ مشورت کے سامنے اپنا خیال پیش کر دیا ہے۔ اب آپ لوگ متفق ہو کر خود فیصلہ کریں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ جنگ یا صلح۔

سردار۔ جب ہمارا لشکر بے حوصلہ اور دشمن کے حملے کامیاب ہیں۔ تب صلح نہ کرنا زندگیوں اور ملک کو جنگ کی آگ کا ایندھن ہے۔ میری رائے صلح کے حق میں ہے۔

سردار نمبر ۲۔ میں بھی اس رائے کی تائید کرتا ہوں۔

گستہم۔ (بہرام سے) جب کثرت رائے جنگ کی مخالف ہے۔ تو آپ ہماری جانب سے صلح کے قاصد بن کر جائیے۔ سہراب سے کہیئے۔ کہ ہم جان و مال کی سلامتی کے وعدہ پر اپنا قلعہ حوالے کرنے کو تیار ہیں۔

بہرام۔ آنے والے زلزلہ کی وحشت سے ملک کانپ رہا تھا۔ آپ نے اس فیصلے سے خون اور تباہی کے طوفان کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ بربادی کے ہاتھ سے حرب چھین لئے۔ بدبختی کی امیدیں توڑ دیں۔ میں آپ کی دوراندیشی کو مبارکباد دیتا ہوں۔ میری زبان سے سہراب کا شکریہ آمیز جواب سننے کے لئے آمادہ رہیئے۔ (جوش میں جانا چاہتا ہے۔)

(اس وقت گرد آفرید آکر اس کے سینے پر اپنی تلوار کی نوک رکھ دیتی ہے۔)

گرد آفرید۔ ٹھیرو۔ کہاں جاتے ہو؟

بہرام۔ صلح کرنے۔

گرد آفرید۔ کس سے۔

بہرام۔ سہراب سے۔

گرد آفرید۔ سہراب سے۔ ایران کے بدخواہ۔ قوم کے دشمن سے۔ طاقتور سے کمزور کا پتھر سے شیشے کا۔ آندھی سے تنکے کا کبھی اتحاد نہیں ہوتا۔ صلح برابر والوں سے ہوتی ہے۔ اور طاقت کا ثبوت دینے کے بعد ہوتی ہے۔ یہ صلح نہیں ذلت کا اعلانیہ اقرار ہے۔ ملک فروشی کی دستاویز ہے۔ تمہاری غیرت کی پیشانی پہ غلامی کا داغ اور تمہاری مادر وطن کے پُرجلال چہرے پر شرم کی کالک ہے۔

مردود ہے وہ کوشش ملعون ہے وہ خانہ
آزادیٔ وطن کا لکھے جو بیعانہ
عزت سمجھ رہے ہو غیروں کی بندگی میں
مر جاؤ گر ہے جینا ذلت کی گندگی میں

بہرام۔ گرد آفرید۔ حریف کی طاقت اور ملک کی کمزوری کا اندازہ کرنے کے بعد رائے ظاہر کرو۔ جس سہراب نے ہجیر جیسے طاقت کے پہاڑ کو گھوڑے سمیت اٹھا کر مٹی کے ڈھیلے کی طرح زمین پر پھینک دیا اس سہراب کو ہم اپنی تلوار بازی کا تماشہ دکھا کر کبھی فتح نہیں کر سکتے۔

گرد آفرید۔ فتح جرأت و ہمت سے ملا کرتی ہے۔ سوچنے۔ رونے اور بیوہ عورت کی طرح ہائے ہائے کرنے سے نہیں ملتی۔ فتح بے عزتی کے غلاموں کی آقا اور ہمت کے آقاؤں کی لونڈی ہے۔ بزدل قسمت سے فتح کی بھیک مانگتے اور بہادر قسمت کے منہ پر تھپڑ مار کر زبردستی حاصل کرتے ہیں۔

جرأت ہے جس کے پاس وہی فتح مند ہے
جھک جائے گا جہاں جو ہمت بلند ہے
اٹھو بڑھو۔ دکھاؤ کہ طاقت ہے پاؤں میں
ملتی ہے فتح مرد کو خنجر کی چھاؤں میں

بہرام۔ لیکن جب صلح کر لینے سے ہمارا قلعہ۔ ہماری دولت۔ ہماری زندگی ہر چیز بچ سکتی ہے۔ تو ہمیں اپنی بے وقوفی کا ثبوت دینے کے لئے سہراب سے جنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

گرد آفرید۔ شرم کر۔ شرم کر۔ خود غرضی کے بازار میں دولت و واجب کے جھوٹے سکون پہ قوم کی عزت اور ملک کی آزادی فروخت کر دینے کو تو شرافت کا سودا جانتا ہے۔ پالتو کتے کی طرح گلے میں سہراب کی اطاعت کا پٹہ ڈال کر اس کے پیر چاٹنے کو عزت کی زندگی سمجھتا ہے۔

تیری زبان ہے فسانہ نمک حرامی کا
سبق پڑھاتا ہے اوروں کو بھی غلامی کا

بہرام۔ خبردار۔ گرد آفرید۔ تو کسی معمولی شخص سے ہمکلام نہیں ہے میری حیثیت کا ادب کر۔ جا گھر میں جا سلطنت کے انتظام میں عورت کو دخل دینے کا حق نہیں۔

گرد آفرید۔ بزدل۔ بے حیا۔ تو مجھے عورت کہتا ہے۔ میں عورت نہیں۔ تو عورت ہے۔ کیونکہ میں عورت ہو کر بھی مرد کی طرح ملک اور قوم کے دشمن کا سر اپنے پیروں میں روندنا چاہتی ہوں۔ اور تو عورت کی طرح اپنی پلکوں سے سہراب کے پاؤں کی گرد صاف کرنا اور اس کی جوتیوں کو اپنے سر کا تاج بنانا چاہتا ہے۔

بہرام۔ ذلیل۔ زبان دراز۔ (گرد آفرید پر تلوار سے حملہ کرتا ہے۔) (گرد آفرید اسے اٹھا کر زمین پر دے مارتی ہے۔ اور کلائی مروڑ کر تلوار چھین لیتی ہے۔

گرد آفرید۔ کتا شیرنی پہ حملہ نہیں کر سکتا۔ وطن کے دشمن۔ (لات مار کر) جا سہراب کی جوتیاں اٹھانے والوں میں نام لکھا کر اپنی عزت پر فخر کر۔ تیری قسمت میں نہ شریفوں کی زندگی ہے۔ نہ بہادروں کی موت۔

بہرام۔ گرد آفرید۔ میں اس توہین کا خوفناک بدلہ لوں گا۔ تجھ سے بھی۔ اور جو اپنی خاموشی سے تیری تائید کر رہے ہیں ان سے بھی۔ (غصے میں سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا چلا جاتا ہے۔)

گرد آفرید۔ ایران کے دلیرو۔ سہراب اس دنیا میں دنیا سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح مٹی پانی سے بنا ہوا انسان ہے۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح اپنی زندگی کی مدت اور موت کے وقت سے بے خبر ہے۔ اس لئے تنکے کو پہاڑ اور پہاڑ کو آسمان سمجھ کر اپنی طاقتوں کو حقیر نہ سمجھو۔ اٹھو۔ اٹھو۔ اٹھو مست ہاتھی کی طرح جھوم کر۔ آندھی کی طرح جھلا کر۔ بادل کی طرح گونج کر اپنے

وطن کی حفاظت کے لئے تلواریں کھینچ کے اٹھ کھڑے ہو۔ جہاں بزدلی ہے وہاں شکست ہے۔ اور جہاں جرأت ہے۔ وہیں فتح ہے۔

گستہم۔ خوف۔ خیال کا خواب ہے تم نے ہمیں اسی خواب سے جگا دیا۔

سب۔ زندہ باد گرد آفرید۔

گرد آفرید۔ زندہ باد ایران۔

(سب خوشی سے تلواریں کھینچ لیتے ہیں)

باب دوسرا

سین پانچواں

میدان جنگ کا ایک حصہ

(ہومان، بارمان، اور قلعہ سفید کے نگہبان ہجیر کے ساتھ سہراب کا داخلہ۔ ہجیر کے دونوں ہاتھ کمند سے بندھے ہوتے ہیں۔)

سہراب۔ تم قلعۂ سفید کے نگہبان ہو۔

ہجیر۔ ہاں۔

سہراب۔ تمہارا نام۔

ہجیر۔ ہجیر۔

سہراب۔ قلعہ کے حاکم کا نام۔

ہجیر۔ گژدہم۔

سہراب۔ اگر قید کی زندگی جس کے سر پر موت کی تلوار لٹک رہی ہے۔ آزاد زندگی سے بدلنا چاہتے ہو۔ تو خط لکھ کر قلعہ کے حاکم کو آگاہ کر دو۔ کہ میرے حضور میں آکر نذرانۂ اطاعت پیش کرے۔

ہجیر۔ عمر کے ساتھ میری یادداشت بھی بوڑھی ہو گئی ہے اس لئے زندگی کے دنوں میں نمک حرامی کا سبق یاد نہیں کر سکتا۔

سہراب۔ یعنی۔

ہجیر۔ تم نے میدان جنگ میں شکست دے کر میرے جسم کو قید کر لیا ہے۔ میری روح تمہاری قید میں نہیں۔ زندہ رکھو یا قتل کر دو۔ لیکن میں اپنی غلامی کے کاغذ پر کبھی دستخط نہیں کروں گا۔

سہراب۔ (ہومان بارمان سے) اچھا تو بہادری کے دو دشمنوں کو زنجیریں کھول کر قلعۂ سفید پر حملہ کرنے کے لئے آزاد کر دو۔ اور غم کی سیاہ رات میں وطن کی حالت اُلّو کی طرح ماتم کرنے کے لئے اس بدبخت کو قید میں رکھو۔ احمق امید کی زمین میں ہنسی بو رہے ہیں۔ لیکن انہیں بہت جلد آنسوؤں کی فصل کاٹنی ہوگی۔

میرے قدموں کو بوسہ دے گی جھک جھک کر جبیں تیری
بساط عجز بن جائے گی سجدوں سے زمیں تیری
اٹھا سکتا نہیں۔ سر تیغ جوہر دار کے آگے
سن او ایران! جھک جا۔ اب میری تلوار کے آگے

ہجیر۔ زمین پر رینگتے ہوئے حقیر کیڑے کی طرح حرکت کرنے اور سانس لینے کا نام زندگی نہیں ہے۔ آزادی اور اختیار سے محروم ہو کر پامال گھاس کی مانند زندہ رہنا انسانیت کی موت ہے۔ میری تمنا ہے۔ اور دعا۔ کہ میرے اہل وطن جھکیں۔ لیکن غلام بنکر نہیں آقا بنکر۔ کتّے کی طرح نہیں۔ شیر کی طرح۔

(ہومان و بارمان ہجیر کو لے جاتے ہیں)

(مردانہ لباس میں انتہائی جوش و غضب کے ساتھ گرد آفرید کا داخلہ)

گرد آفرید۔ ایران دنیا کا سر جھکانے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ جھکنے کے لئے پیدا نہیں ہوا۔

ایران کے قدموں میں ہے جیحون سے تا گنگ
اس خاک سے پیدا ہوئے طہمورث و ہوشنگ
ہر فرد یہاں کوہ فگن زور شکن ہے
یہ شیروں کا گہوارہ شجاعت کا وطن ہے

سہراب۔ میدان جنگ میں زبان کے ہر دعویٰ کو زور بازو سے ثابت کرنا ہوتا ہے۔

گرد آفرید۔ میرے دعوے کو میری تلوار ثابت کرے گی۔

سہراب۔ ایران کی زمین میں وہ لوہا ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس سے مرد کی آبرو بڑھانے والی تلوار بن سکے۔ ظاہر کر۔ کہ تو کون ہے۔ تیری موت کے بعد قلعۂ سفید میں کس نام سے تیرا ماتم کیا جائے گا۔

گرد آفرید۔

دشمن نخوت حریف شعلہ سامانی ہوں میں
بس میرا نام و نشاں یہ ہے کہ ایرانی ہوں میں
سیل خوں میں موج آہن کی روانی دیکھ لے
آج تو بھی بارشِ تیغ کیانی دیکھ لے

سہراب پر حملہ۔ دونوں میں خونریز جنگ۔ گرد آفرید کی شکست۔ گھوڑے سے زمین پر گرتے وقت سر کا خود علیحدہ ہو جانے سے گرد آفرید کے بال کھل کر بکھر جاتے ہیں۔ مرد کے لباس میں ایک حسین دوشیزہ کو دیکھ کر سہراب حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔

سہراب۔ یہ کیا حسن کی دنیا کا چاند زرہ بکتر کے بادل میں۔

طلوع قوس قزح کا عالم ہے جلوہ جسم نازنیں پر
نثار ہے حسن شام جنت بہار گیسوئے عنبریں پر
حسین آنکھیں رسیلے تیور نظر میں انداز دلبری کے
بلوریں گردن پہ روئے روشن چراغ ہے ہاتھ میں پری کے

گرد آفرید۔ اقبال مند سہراب۔ وہ ایران کی بہادر لڑکی جس کے بازوؤں میں طاقت کا طوفان۔ جس کی تلوار میں بجلیوں کا سیلاب پوشیدہ تھا۔ آج اس کے یقین کی دنیا ناکامی کے زلزلہ سے تباہ ہو گئی۔ مجھے امان دو۔ میں اظہار ندامت کے ساتھ اپنی شکست کا اعتراف کرتی ہوں۔

سہراب۔ بہادر نازنین۔ جو عورت خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اپنی مسکراہٹ سے ایک لمحہ میں آدھی دنیا کو حاصل کر سکتی ہے۔ جو عورت اپنی شرمیلی نگاہوں سے چشم زدن میں بادشاہوں کا تاج اور دلیروں کی تلوار چھین سکتی ہے۔ اسے تیر و شمشیر لے کر میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے! حسن کے مقابلے میں ہمیشہ مرد کے غرور کو شکست ہوتی ہے۔ اٹھو یہ میری فتح نہیں ہے۔ تمہاری فتح ہے۔

گرد آفرید۔ (دل میں) کس قدر شریف۔ جتنا چہرہ خوبصورت ہے اتنا ہی دل بھی خوبصورت ہے۔ (چونک کر) ارے میں کدھر جا رہی ہوں۔

سہراب۔ لیجئے یاب حسینہ جبکہ تم اصلی شکل میں ظاہر ہو گئیں۔ تو اب تمہیں اپنا نام و نشان بھی ظاہر کر دینا ہوگا۔ یہ میرا حکم نہیں حسن کی سرکار میں عاجزانہ درخواست ہے۔

گرد آفرید۔ میں قلعۂ سفید کے حاکم گژدہم کی بیٹی گرد آفرید ہوں۔

سہراب۔ اور۔ اور جانتی ہو۔ میں کون ہوں!

گرد آفرید۔ جس گرد آفرید کی ہیبت سے بہادروں کی رگوں کا سرخ خون زرد ہو جاتا تھا۔ تم اُسے شکست دینے والے سہراب ہو۔

سہراب۔ تمہاری نظر تمہیں دھوکہ دے رہی ہے۔

مجروحِ شوقِ جورکش روزگار ہوں
زخمی جگر کا شورِ وفا کا شکار ہوں
دل کو نشہ ہے عشق کی آنکھوں کو دید کا
سہراب اب غلام ہے۔ گرد آفرید کا

گرد آفرید۔ (دل میں) اس کی باتوں میں کون سا جادو ہے۔ جو میری روح اس کی طرف کھنچی چلی جا رہی ہے۔ (چونک کر) مگر نہیں۔ وطن کے دشمن کا جرم میں کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ (سہراب سے)

سہراب تم اب تک میرے دشمن تھے۔ لیکن اب میری جان کے مالک ہو۔ اور میرے ملک کے مہمان ہو۔ میں تمام ملک کی طرف سے تمہیں اور تمہاری بہادر فوج کو قلعۂ سفید میں آنے کی دعوت دیتی ہوں۔ اب اجازت دو کہ میں پہلے سے جا کر تمہاری پیشوائی کی تیاری کروں۔

سہراب۔ اب میں تمہاری مرضی کے خلاف نہیں کر سکتا۔ تمہارے حکم کی اطاعت میری زندگی کا فرض ہے۔ کیونکہ تم حسن کی ملکہ ہو۔ اور میں حسن کی وفادار رعیت ہوں۔

گرد آفرید۔ تم میرے دل کی دنیا کے بادشاہ ہو۔

(ٹیبلو)

باب دوسرا

سین چھٹا

قلعۂ سفید کا دروازہ

(ہومان۔ بارمان اور سردارانِ فوج مع لشکر کے موجود ہیں)

ہومان۔ دنیا کے حربوں میں سب سے زیادہ خوفناک حربہ عورت کا حسن ہے۔

بارمان۔ اور حسن ہی کا دوسرا نام عورت کی فتح ہے۔

ہومان۔ یہاں بھی حسن و عشق کی جنگ شروع ہو گئی۔

بارمان۔ پہلی جنگ میں گرد آفرید کو شکست ہوئی تھی۔ اس جنگ میں سہراب کو شکست ہوگی۔

(از خود رفتہ حالات۔ سہراب کا داخلہ)

سہراب۔ محبت۔ محبت تو دل کی جنت ہے۔ زندگی کی مٹھاس ہے۔ روح کا نشہ ہے۔ دنیا کا حسن ہے۔

آسودگیٔ روح نشاط نظر نہیں
دنیا میں کچھ نہیں ہے۔ محبت اگر نہیں

ہومان۔ نامور سہراب اپنا عہد اور ارادہ یاد کیجئے۔

بارمان۔ آپ ایران میں عورت کے حسن کی غلامی کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ آپ کی اس کمزوری کو دنیا حیرت کی نظر سے دیکھ رہی ہے۔

سہراب۔ تم پتھر ہو۔ سرد ہو۔ لذت سے محروم۔ تمہارے دل میں محبت کی تڑپ ہوتی۔ تو تم بھی اقرار کرتے۔ کہ دنیا کا نور عورت کا حسن ہے۔ اور حسن کا حسن گرد آفرید ہے۔

ہومان۔ افسوس۔

سہراب۔ افسوس ان کے لئے جو محبت کے آبِ حیات کو زہر سمجھتے ہیں (پھاٹک کے قریب جا کر) تعجب ہے ابھی تک دروازہ بند۔ یہ کیا۔

بارمان۔ اور دنیا کے خاتمے تک بند ہی رہے گا۔

سہراب۔ کیوں؟

ہومان۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ آپ نے گرد آفرید کی جھوٹی محبت پر یقین کرنے میں غلطی کی ہے۔

سہراب۔ خبردار۔ تم میرے یقین کو دیوانگی کہہ سکتے ہو۔ میری آنکھوں کو الزام دے سکتے ہو۔ میرے دل کو اپنی زبان سے زخمی کر سکتے ہو۔ لیکن گرد آفرید پیاری گرد آفرید کی محبت کو جھوٹی محبت کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ تم نے سان پھولوں کی پنکھڑیوں سے شہد ٹپکتے نہیں دیکھا۔ ایسے خوب صورت ہونٹ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔

بارمان۔ لاچاری ہے۔ کہ آپ یقین کی تاریکی سے باہر آنا نہیں چاہتے۔ دشمن کے جنگی قلعے کا دروازہ عورت کے وعدوں سے نہیں۔ بازوؤں کی طاقت سے کھلتا ہے۔ (قلعہ کی دیوار پر گرد آفرید دکھائی دیتی ہے)

سہراب۔ وہ دیکھو۔ ادھر دیکھو۔ اور اپنے خیال کی غلطی پر شرمندہ ہو۔ (بے تابانہ دیوار کے قریب جا کر) پیاری آفرید دل سے نزدیک ہو کر اب اس قدر دور کیوں ہو؟

(ہومان بارمان کی طرف اشارہ کر کے)

بجلی گرا دے ان کے خیال اور یقین پر
آ میرے دل کے چاند اُتر آ زمین پر

گرد آفرید۔ زمین کے دل کے زخم دینا ظالم کا باشاں غلام بنانے کا زمانہ انسانیت کی قتل گاہ نہیں ہے۔ ہماری قوم نے زندگی کی خوشیوں میں سے کونسی خوشی تجھ سے چھین لی ہے۔ جو تو بلا سبب بلا قصور ہمارے ملک کی آزادی اور راحت لوٹنے آیا ہے۔ یہ بہادری نہیں۔ ڈاکہ ہے۔ جا واپس جا۔ قلعۂ سفید کا دروازہ ایک ڈاکو کے لئے نہیں کھل سکتا۔

سہراب۔ پیاری آفرید تم اس طرح انجان بن کر گفتگو کیوں کر رہی ہو۔ غور سے دیکھو۔ میں سہراب ہوں۔ وہی سہراب جسے تم نے ایک بار قید ہو کر ہمیشہ کے لئے اپنے حسن کا قیدی بنا لیا ہے کیا اتنی دور سے مجھے پہچان نہیں سکیں!

گرد آفرید۔ پہچانتی ہوں۔ عصمت کی لہروں پر غرور کی ہوا میں ناچتے ہوئے بلبلے۔ میں تجھے پہچانتی ہوں۔

آنکھوں میں تیری حسن کھٹکتا ہے چمن کا ۔
دشمن ہے میری قوم کا قاتل ہے وطن کا
مت دیکھ لٹیرے ہوس خام سے مجھ کو
نفرت ہے تیری شکل تیرے نام سے مجھ کو

سہراب۔ پیاری آفرید۔ دنیا نے عورت کی بے وفائی کے بارے میں جو رائے قائم کی ہے۔ کیا تم اس بے مروتی سے اس غلط رائے کو آج صحیح ثابت کرنا چاہتی ہو۔

کیوں کیا مخمور بے خود بادۂ سر جوش سے
کیوں دیا پیغام الفت نرگس مے نوش سے
ایک فتنہ اور بالائے زمیں پیدا کیا
کیوں میرے دل میں محبت کا یقیں پیدا کیا

گرد آفرید۔ محبت کا یقین دلائے بغیر تیری قید سے رہا ہونا ناممکن تھا۔ بیوقوف سن۔ اپنے اہل وطن کے دل سے موت کا ڈر دور کرنے کے لئے مجھے زندہ رہنے کی ضرورت تھی۔ اور شکر ہے کہ میں زندہ ہوں۔ لیکن سہراب کے لئے نہیں۔ اپنے ملک کے لئے محبت کے لئے نہیں۔ اپنے وطن کی خدمت کے لئے۔ تو برباد گھروں اور خون میں بہتی ہوئی لاشوں پر قبضہ کر سکتا ہے لیکن ہماری زندگی میں ہمارے قلعے اور ہماری آزادی پر کبھی قبضہ نہیں کر سکتا۔

جا پلٹ جا۔ اور نہیں بنتی کہ خالی ہاتھ جا
حسرتوں کے ساتھ آیا۔ ذلتوں کے ساتھ جا
(چلی جاتی ہے)

سہراب۔ حسین جسم میں دغاباز روح۔ صندل میں جلن۔ چاندنی میں دوپہر کی دھوپ کی تپش (ہومان بارمان سے) تم سچ کہتے تھے۔ حسن نے وفاداروں کی قدر نہیں کی۔ حملہ کرو۔ حملہ کرو۔ قلعے کی ہستی عورت کے وعدے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ اُف کتنا فریب عورت عورت تو صرف یہ کہ خوبصورت دھوکہ ہے۔ (تورانی لشکر حملہ کرتا ہے۔) سہراب کے گرز سے دروازہ ٹوٹ کر گر پڑتا ہے۔ اور فوج قلعہ میں داخل ہو جاتی ہے۔

باب دوسرا

سین ساتواں

قلعہ کا اندرونی حصہ

(حملہ آوروں کا شور۔ زخمیوں کی چیخیں۔ ہتھیاروں کی جھنکار۔ بزن بگیر کا شور و غل سنائی دے رہا ہے۔ بہرام کا جوش انتقام میں داخلہ)

بہرام۔ جنگ۔ موت۔ بربادی نے شہر کے ہر حصے کو گھیر لیا ہے کٹے ہوئے سر بلبلوں کی طرح لہو کی لہروں پر تیر رہے ہیں۔ ایک ضدی بے وقوف چھوکری نے میری صلاح کو حقارت سے رد کر دیا۔ اس حقارت کی یہی سزا ہے۔ میری ذلت پر خوش ہونے کا یہی انعام ہے۔ ایران کی تاریخ میں میرا نام نمک حراموں میں لکھا جائے گا۔ لکھا جائے۔ دنیا مجھے قوم و وطن کا دشمن کہے گی۔ کہنے دو۔ عاقبت خراب ہوگی۔ ہونے دو۔ مجھے ایمان قوم۔ وطن عافیت کچھ نہیں چاہیئے۔ انتقام صرف انتقام چاہیئے۔ بہرام چل۔ دست بدست جنگ میں دوبارہ سہراب کی رہنمائی کریں۔ سہراب کی فتح ہی تیرے انتقام کی فتح ہے (بہرام کی روانگی۔ خون سے بھری ہوئی تلوار لئے۔ رنج۔ خوشی۔ غصے کے ساتھ گرد آفرید کا داخلہ۔)

گرد آفرید۔ شاباش ملک کے فدائیو شاباش۔ تمہاری زندگی بھی مبارک ہے اور تمہاری موت بھی مبارک ہے تمہارے خون کے ہر قطرے میں ہزاروں آب حیات کے چشمے لہرا رہے ہیں۔ تم مر کر بھی شہرت کی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہوگے۔ تمہاری بہادری دیکھ کر مغرور سہراب بھی۔ (سہراب کا نام زبان پر آتے ہی دل میں محبت کا اثر پیدا ہو جاتا ہے) آہ! کتنا جری۔ کیسا شریف۔ سہراب۔ میرے دل کو محبت کے نور سے روشن کرنے والے سہراب تم سمنگان میں کیوں پیدا ہوئے! اگر تم مادر ایران کے فرزند ہوتے۔ تو میں کنیز بن کر تمہاری خدمت میں اپنی زندگی۔ (خیال بدلتا ہے) بے وقوف عورت یہ کیا! ملک و قوم کے اعتبار کو دھوکہ دے رہی ہے۔ کیا تو دل سے نہیں۔ صرف زبان اور تلوار سے سہراب کی مخالفت کر رہی ہے۔ ہوشیار ہو۔ تیرا خیال تجھے دنیا کے گناہ میں کھینچے لئے جا رہا ہے۔ اس جہاں میں جہاں لعنت ہے۔ رحمت نہیں۔ سزا ہے۔ کفارہ نہیں نفرت کر۔ اس سے نفرت کر۔ دل سے بھی اور روح سے بھی۔ (پھر شعلۂ محبت بھڑکتا ہے) لیکن میں نفرت نہیں کرتی۔ اور نہیں کر سکتی۔ تو اس میں قصور کیا ہے۔ دنیا میں کون عورت ہے۔ جو ایسے شجاع۔ شریف۔ رحیم۔ جمیل کو اپنا دل اور اپنی قسمت سپرد نہ کر دے گی۔

اس کا چہرہ دیکھنے کے بعد دنیا کی کسی خوبصورتی کی طرف دیکھنے کی تمنا باقی نہیں رہتی ہے۔ (دوبارہ خیال کی رو بدلتی ہے) دور ہو۔ اے عورت کے دل کی کمزوری دور ہو۔ جس قدر کمینہ شرافت سے۔ غدار اپنے ملک سے۔ بزدل عزت کی موت سے نفرت کرتا ہے۔ میں بھی اسی قدر سہراب سے نفرت کروں گی۔ محبت پیچھے ہٹ۔ فرض آگے بڑھ۔ (خوف و اضطراب کے ساتھ گستہم کا داخلہ۔)

گستہم۔ اوہ۔ وہم بھی نہ تھا۔ کہ وہ انسان ہو۔ بھیڑیئے سے زیادہ موذی اور کتے سے زیادہ کمینہ ثابت ہوگا۔ اے خدا تو نے اس انسان نما لعنت کے ڈھیر کو کیوں پیدا کیا۔

گرد آفرید۔ تمہارا ہر لفظ خطرہ کا اعلان کر رہا ہے۔ کیا ہوا؟

گستہم۔ دغا۔ شرمناک دغا۔

گرد آفرید۔ دغا دی۔ کس نے۔ دشمن نے۔

گستہم۔ نہیں۔

گرد آفرید۔ تب۔

گستہم۔ ایرانی ماں کا دودھ پی کر پلے ہوئے سانپ نے ملک فروش بہرام نے۔

گرد آفرید۔ ملعون۔ دوزخی۔

گستہم۔ اس کی دغابازی اور نمک حرامی دیکھ کر مجھے تعجب ہو رہا ہے۔

گرد آفرید۔ تعجب کیوں کرتے ہو بہرام کی وطن دشمنی دنیا کا پہلا عجیب واقعہ نہیں ہے۔ غداری کی تاریخ پڑھو۔ ہمیشہ ملک کے نمک حراموں ہی نے اپنے ملک کو دوسروں کا غلام بنایا ہے۔

گستہم۔ بہرام کی مدد سے سہراب کی فوج نے قلعہ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا ہے۔

عنقریب قسمت۔ جنگ کی کمان سے اپنے ترکش کا آخری تیر چلانا چاہتی ہے۔ اب ہمارے لئے کوئی امید باقی نہیں۔

گرد آفرید (تڑپ کر) کیوں باقی نہیں رہی۔ جب تک غیرت باقی ہے۔ حمیت باقی ہے۔ جسم میں ایک بھی سانس اور قلعے میں ایک بھی سپاہی ہے۔ ہمت باقی رہے گی۔ ہم فانی دنیا میں لازوال زندگی لے کر نہیں آئے ہیں۔ جب موت یقینی ہے۔ تو عزت اور شرافت کے ساتھ مرو۔ بہادروں کی طرح مرو۔ بوڑھے اپاہج۔ ناکارہ ہو کر بیماری کے بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کے بدلے قوم پر قربان ہو کر مادر وطن کی آغوش محبت میں مرو۔ ناامید سامنے سے دور ہو۔ آؤ بس فتح یا موت۔ (تصویر غضب بنی ہوئی گستہم کے ساتھ جاتی ہے۔)

(سہراب کا سپاہیوں کے ساتھ داخلہ)

سہراب۔ وہ میری امید کی امید۔ میری زندگی کی زندگی ہے۔ اسے زندہ گرفتار کرو۔ خبردار اس کے ایک بال اور پاؤں کے ایک ناخن کو بھی صدمہ نہ پہنچے۔ عشق میں اتنی جرأت نہیں کہ حسن کو اس کے جرم کی سزا دے سکے۔ میں یہ جبر گرد آفرید سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ خوبصورتی اور بے وفائی کا آپس میں کیا رشتہ ہے چہرہ حسین دل بہار۔ آنکھیں بے مروت۔ میں نے دنیا میں ایسی عجیب خوبصورتی اور ایسی عجیب عورت نہیں دیکھی۔

(سب کے ساتھ جاتا ہے)

باب دوسرا

سین آٹھواں

قلعہ کے اندر کا حصہ

(شور و غل۔ چیخ۔ پکار۔ آگ۔ دھوئیں سے گھرے ہوئے مکانات گرد آفرید زخموں سے چور۔ خون میں شرابور۔ داخل ہوتی ہے۔)

گرد آفرید۔ دغابازی نے قلعہ سپید کی قسمت کو غدار بہرام کے ہاتھ سے سیاہ کفن پہنا دیا۔ بیواؤں کے شیون۔ یتیموں کی فریاد۔ خاک و خون میں پڑی ہوئی لاشوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔

(تلوار کو مخاطب کر کے) تلوار! (چوم کر) اس جسم سے روح کی علیحدگی کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ جب تک موت ان دونوں کو جدا نہ کر دے۔ میری جوانی کا سنگار میرے ہاتھوں کا زیور۔ میری زندگی کی رفیقانہ سہیلی تو مجھ سے جدا نہ ہونا۔ ایک بار سہراب کے خون میں (جذبۂ محبت سے مغلوب ہو کر) آہ! کیا خوبصورت نام کتنا شیریں نام۔ اس نام کو سنتے ہی یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ دل کی دنیا میں محبت کے زمزموں کی بارش ہو رہی ہے۔ (خیال میں تبدیلی) محبت۔ کس کی محبت۔ سہراب کی محبت۔ خبردار۔ اگر تو نے ایران کے دشمن سے محبت کی۔ تو میں تجھے سینے سے نکال کر سیر دل سے دائرہ ذلت کی ٹھوکر مار کر بھوکے کتوں کے آگے پھینک دوں گی۔

(تورانی سپاہیوں کے ساتھ نمک حرام بہرام کا داخلہ)

بہرام۔ تلاش کامیاب ہوئی۔ گرفتار کر لو۔ گرد آفرید کہاں ہے؟ بلیت سے فراغ کہاں ہے۔ تیرا وہی غرور کہاں ہے؟ کہاں ہیں تیرے گرجتے ہوئے دعوے۔

دیکھ آئینے میں چہرہ زخم بھی ہے خاک بھی
خون میں ڈوبا ہے دل بھی جسم بھی پوشاک بھی
گر رہے ہیں آنکھ سے آنسو تن صد پاش پر
رو رہا ہے کیوں کھڑی ہو کر وطن کی لاش پر

گرد آفرید۔ کیا تیرا دل پتھر سے بنایا گیا ہے۔ کیا تیری پرورش ایرانی ماں کے دودھ کے خون سے کی گئی ہے۔ موذی جلاد۔ اگر تیرے پاس دیکھنے والی آنکھیں۔ اور سننے والے کان ہیں۔ تو دشمن کی ٹھوکروں سے پامال ملک کی دردناک حالت دیکھ اور ڈوب مر۔ غلامی کی زنجیر میں جکڑی ہوئی مادر وطن کی فریاد سن۔ اور شرم کر جن بہادروں نے ایران کی حفاظت کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک قربان کر دیا۔ کیا وہ تیرے قومی بھائی نہ تھے۔ جن شریف عورتوں نے فرض کی قربان گاہ پر اپنے شوہروں بھائیوں بچوں کی جانیں نثار کر دیں۔ کیا وہ تیری سگی بہنیں نہ تھیں؟ اپنے بھائیوں کی زندگیاں اپنی بہنوں کا سکھ لٹا کر شرم کے زخم سے مر جانے کے بدلے خوش ہو رہا ہے۔ ٹوٹے ہوئے دلوں کی ذبح کی ہوئی امیدوں پر آنسو بہانے کے عوض دوزخ کے غول کی طرح بے رحمی سے ہنس رہا ہے۔

نہ ہوگا تجھ سا بے غیرت کمینے سے کمینہ بھی
زمانے کے لئے لعنت ہے تو بھی تیرا جینا بھی

بہرام۔ عداوت کے بازار کا سودا اتنے ہی مہنگے داموں بکتا ہے۔ یہ بربادی میری بے عزتی کا بدلہ ہے۔

گرد آفرید۔ اگر تیرا دل مجھ سے بدلہ لینے کے لئے بیقرار تھا۔ تو شریف دشمن کی طرح تلوار لے کر میرا مقابلہ کرتا۔ مقابلے کی ہمت نہ تھی تو کھانے میں زہر ملا دیتا یہ بھی ناممکن تھا۔ تو سوتے میں چھری بھونک دیتا۔ لیکن غریب ملک نے کیا قصور کیا تھا۔ جو تو نے بے رحمیوں کے ہاتھ سے اس کی عزت کے گلے پر چھری چلوا دی۔ تو سہراب کی مہربانی کے سائے میں برباد وطن کی راکھ سے اپنے عیش کی جنت بنانا چاہتا ہے۔ لیکن یاد رکھ۔ اس جنت کا ہر پھول تیرے دغاباز دل کو سانپ بن کر ڈستا اور یہ گناہ کا گھر ہمیشہ نفرت و لعنت کے زلزلوں سے کانپتا رہے گا۔

اگر وہ جانتی دل ہے دغا و ذلت بھرا تیرا
تیری ماں پیدا ہوتے ہی دبا دیتی گلا تیرا

بہرام۔ (ساتھیوں سے) کیا دیکھتے ہو گرفتار کر لو۔ یا قتل کر دو۔

(سپاہی چاروں طرف سے حملہ کرتے ہیں۔ گرد آفرید شیرنی کی طرح ہر ایک حملے کا جواب دیتی ہے۔)

بہرام۔ میرے صبر کے انتقام کا آخری نوالہ۔ (بہرام پیچھے سے گرد آفرید کی پیٹھ میں خنجر بھونک دیتا ہے۔)

گرد آفرید۔ آہ دغاباز موذی۔ (گرتے گرتے پلٹ کر دونوں ہاتھوں سے بہرام کا گلا پکڑ لیتی ہے۔) اتنے گناہ کر چکا تھا۔ یہ آخری گناہ نہ کرتا۔ تو کیا دوزخ کے دروازے تیرے لئے بند ہو جاتے۔ گندے تجھے زندہ رکھنا کمینے پن کی عمر میں اضافہ کرنا ہے۔ تیرا ایمان مر چکا۔ انسانیت مر چکی۔ تو بھی مر۔

(جان لینے کے ارادے سے گلا دباتی ہے۔ پھر رک جاتی ہے۔) مگر نہیں تو کیا ہے۔ نمک حرام ہے۔ دغاباز ہے۔ قاتل ہے۔ سب کچھ ہے۔ پھر بھی میرا ہم وطن ہے۔ (گلا چھوڑ دیتی ہے) قوم پرستوں کے مذہب میں بدی کا بدلہ

باری نہیں ہے۔ میں اپنے وطن کی عزت کے صدقے میں تجھے اپنا خون معاف کرتی ہوں۔ (زمین پہ گر پڑتی ہے۔ اسی وقت سہراب کا سپاہیوں کے ساتھ داخلہ)

سہراب۔ یا خدا۔ یا خدا۔ میں کیا نظارہ دیکھ رہا ہوں۔ (گردآفرید کا سر زانو پہ رکھ کر) آفرید۔ پیاری آفرید۔ آنکھیں کھولو۔ میں تمہیں بے وفائی کا الزام دینے کے لئے نہیں۔ اپنی وفاداری کا یقین دلانے آیا ہوں۔ کیا تو ٹوٹے دل کو تسلی نہ دوگی کیا اپنی مسکراہٹ سے میرے غم کی اندھیری رات میں امید کی صبح پیدا نہ کروگی۔

کر دیکھ رحم میری التجا پہ میری آہوں پہ
اٹھو۔ بولو ہنسو دیکھو میں صدقے ان نگاہوں پہ

گرد آفرید۔ (آنکھیں بند کئے ہوئے نیم بیہوشانہ حالت میں) کس کی آواز ستاروں کا گانا۔ زمین پر۔ کون گا رہا ہے۔

سہراب۔ تمہارا شیدائی۔ تمہارا پرستار سہراب۔

گرد آفرید۔ (آنکھیں کھول کر) تم۔ تم اوہ مرنا بھی مشکل ہو گیا۔ (جوش محبت سے اٹھنے کی کوشش کرتی ہے اور پھر گر پڑتی ہے۔) آؤ۔ پیارے سہراب آؤ تمہیں دیکھ کر دل میں زندہ رہنے کی تمنا پیدا ہو گئی۔ لیکن اب تمنا کا وقت نہیں رہا۔ عدم کے مسافر کا سامان بندھ چکا ہے۔ زندگی اسے ہمیشہ کے لئے رخصت کر رہی ہے میرے دل کے مالک میرے فرض نے مجھے بے مروت بننے کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ وطن کا مرتبہ عشق سے بلند ہے۔ اس لئے مجھے معاف کرو۔ اور جو ہوا اسے بھول جاؤ ـــ

موت کے دروازے پر دنیا کی دوستی اور دشمنی ختم ہو جاتی ہے۔

سہراب۔ پیاری آفرید۔ میرا تو یہ خیال تھا۔ کہ تم مجھے اپنی محبت کا حقدار نہیں سمجھتیں۔ اسی لئے اس قدر جوش کے ساتھ جنگ کر رہی ہو۔

گرد آفرید۔ آہ! تمہیں کیا معلوم۔ کہ فرض اور محبت کی جنگ میں میری روح نے کتنے عذاب برداشت کئے ہیں۔ صدمہ نہ کرو۔ دوست اور دشمن ہم نام ہیں اسی لئے تمہیں دھوکہ ہوا۔ میں نے اپنے پیارے سہراب سے نہیں۔ اپنے پیارے ملک کے دشمن سے جنگ کی ہے۔

دم آخر بھی صید عشق و وقف بے قراری ہوں
میں پھر اقرار کرتی ہوں تمہاری تھی تمہاری ہوں

سہراب۔ آہ۔ ان لفظوں میں کتنا پیار کتنی مٹھاس ہے۔ قسمت کا ستم دیکھو محبت کے پیاسے کو تسلی کا آب حیات بھی پلا رہی ہے اور جدائی کا زہر بھی۔

گرد آفرید۔ فرشتے روشنی کی چادر میں لپٹے ہوئے آہستہ آہستہ زمین پہ اتر رہے ہیں۔ دنیا عالم نور سے بدل رہی ہے۔ آسمان کا دروازہ کھل گیا ہے۔ کس نے پکارا زندگی کے دروازے پر کون آواز دے رہا ہے۔ موت تو ہے۔ آ۔ آ۔ میں نہیں سمجھتی تھی۔ کہ تو اتنی خوبصورت ہوگی۔

نہیں معلوم راز مرگ دنیا کے طبیبوں کو
اگر فرصت ملے۔ تو یاد کرنا بدنصیبوں کو

(مر جاتی ہے)

سہراب۔ ٹھیر۔ اے حسین مسافر ٹھیر۔ تو کہاں جا رہی ہے۔ واپس آ واپس آ۔ تیرے جانے کے بعد دنیا میں صرف فریاد اور آنسوؤں کی آبادی رہ جائے گی آفتاب و مہتاب۔ آسمان کے دل کے داغ تارے رات کے جگر کے چھالے اور رنگین پھول زمین کے جسم کے زخم معلوم ہوں گے۔

(دیوانہ وار پکارتا ہے) آفرید۔ آفرید۔ آفرید۔ ہائے کوئی جواب دے۔ پھول ہے خوشبو نہیں۔ مکان ہے مکین نہیں۔ سلطنت ہے ملکہ نہیں۔ پیاری آفرید تو نے فرض پر محبت کو اور ملک پر زندگی کو قربان کر کے انسانوں کو سکھا دیا کہ دنیا میں کس طرح جینا اور کس طرح مرنا چاہیئے۔ ایران کی آنے والی نسلیں تیرے کارناموں پر فخر کریں گی۔

ایران کی لڑکیاں تیری بہادری کے گیت گائیں گی۔ اور ایران کی تاریخ کے حرف تیرے نام کی روشنی سے ہمیشہ چمکتے رہیں گے۔ میں تیرے قدموں کو رخصتی بوسہ دیتا ہوں۔ یہی پہلا اور یہی آخری بوسۂ محبت ہے۔ روتا ہوا گرد آفرید کے قدموں میں گر پڑتا اور پھر جوش میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ میرے حکم سے بے پروا ہو کر یہ دنیا کی سب سے زیادہ قیمتی زندگی کس نے برباد کی۔

بہرام۔ (فخریہ لہجہ میں) میں نے۔

سہراب۔ تو نے۔ ایک ایرانی نے۔ گرد آفرید کے ہم قوم اور ہم وطن نے۔ کس لئے؟

بہرام۔ اس لئے کہ یہ میرا خیر خواہانہ فرض تھا۔ اس لئے کہ وہ تورانیوں کی دشمن تھی۔ اور میں توران کا دوست ہوں۔

سہراب۔ تو کتنا بے حیا۔ کتنا کمینہ۔ کتنا قابل نفرت ہے۔ جس ایران کی بہادر لڑکی نے ملک و قوم کی آبرو پہ اپنی محبت۔ راحت امید زندگی کی ہر خوشی قربان کر دی۔ اس کے سینے میں خنجر بھونکتے وقت تیرے دل نے تجھ پر لعنت نہ کی اپنے باپ کی ناپاک یادگار ماں کی کوکھ کے ملعون نتیجے۔ جب تو نے ایرانی ماں کے دودھ اور ایران کے نمک سے پرورش پا کر ایران سے وفاداری نہ کی۔ تو تو توران کا کب دوست ہو سکتا ہے؟ جس منہ سے اپنے کو تورانیوں کا دوست کہتا ہے۔ میں اس ذلیل منہ پر تھوکتا ہوں۔ تیرے رہنے کی جگہ دنیا نہیں دوزخ ہے۔

(یہ کہہ کر بہرام کو مار ڈالتا ہے)
دوسرا ڈراپ ختم ہوا

باب تیسرا

سین پہلا

سہراب کے لشکر کی چھاؤنی

(ایوان بارمان تورانی سردار اور سپاہی جشن منا رہے ہیں۔ رقاصہ رقص و نغمہ میں معروف ہے۔)

گانا

جائیں گے وہاں خوش دل دیوانہ جہاں ہو
گھر لیں گے وہیں ہم کہ پری خانہ جہاں ہو

مستی کے عوض بارش رحمت ہے برستی
پڑا اتنے ہی ٹکڑے پر کہ میخانہ جہاں ہو

ہو گی کوئی جنت میری جنت تو وہیں ہے
خم خانہ و مے خانہ و پیمانہ جہاں ہو
منہ چوم نہ لے پھول کے دھوکہ میں تمہارا
جانا نہ وہاں بلبل دیوانہ جہاں ہو

ہومان۔ بادل کے محل میں پیشواز پہن کر بجلی ناچ رہی ہے۔

بارمان۔ کل تلوار کی تال پر موت کا ناچ بھی شروع ہو جائے گا۔

سردار نمبر ۱۔ صرف ناچ۔

ہومان۔ گانا بھی۔

سردار نمبر ۱۔ کون گائے گا۔

ہومان۔ زندگی۔

سردار نمبر ۳۔ کیا گائے گی۔

ہومان۔ فنا کا گیت۔

سردار نمبر ۱۔ زندگی تو غم اور خوشی کے سروں سے بنا ہوا ایک دلچسپ گیت ہے۔

سردار نمبر ۲۔ ٹھیک کہا۔ اور یہ گیت مزہ اس وقت دیتا ہے جب اسے شراب کا پیالہ ہاتھ میں لے کر گایا جائے۔

سردار نمبر ۳۔ (پیالہ بڑھا کر) لیجیے ہونٹوں کی مضراب سے روح کے ستار میں زندگی کی راگنی بجائیے۔

سردار نمبر ۱۔ ہا ہا!

شراب ناب کے جلووں سے ساغر میں اجالا ہے
ہزاروں چودھویں کے چاند ہیں اور ایک ہالہ ہے
یہ وہ شے ہے گرے تو خاک سے اکسیر پیدا ہو
ہر اک قطرے سے اک اک حسن کی تصویر پیدا ہو

(سب سردار کھڑے جھوم رہے ہیں۔ ناچ۔ ٹیبلو۔)

باب تیسرا

سین دوسرا

ایران کے شہنشاہ کیکاؤس کا دربار

(کیکاؤس تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ چہرہ غصے سے خوفناک اور آنکھیں لال ہو رہی ہیں)۔

کیکاؤس۔ جس کیکاؤس کے ابرو پر شکن دیکھ کر دنیا گنہ گار غلام کی طرح کانپ کر سجدے میں گر جاتی ہے۔ جس قہر کے حضور میں طوفان سے زیادہ طاقتور اور زلزلے سے خوفناک انسان دو زانو ہو کر رحم کی بھیک طلب کرتے ہیں۔ اس کے غضب سے یہ بے پروائی۔ اس کے حکم سے یہ سرتابی۔ گویا وہ فرمانبردار نہیں فرمانروا ہے۔ ایران کا خادم نہیں۔ ایران کا آقا ہے۔ رستم۔ مغرور رستم تیری روح میں بغاوت کا مرض پیدا ہو گیا ہے۔ میرا شاہی مرتبہ یہ جرأت اور گستاخی برداشت نہیں کر سکتا۔

گودرز۔ جہاں پناہ۔ خانہ زاد کی جان بخشی ہو غصے میں غلط ارادے قائم کر رہے ہیں۔ رستم سے اس وقت تک کوئی قصور سرزد نہیں ہوا۔ کہ اس کی بے داغ جان نثاری پر شبہ کیا جا سکے۔ دنیا میں دو چیزیں ہمیشہ اپنی روشنی سے چمکتی رہیں گی یعنی پر آفتاب۔ اور زمین پر رستم کی وفاداری۔

کیکاؤس۔ دھوکہ نہ کھاؤ۔ تم اوپر کا ملمع دیکھ کر سونا سمجھ رہے ہو۔

گودرز۔ غلام کی یہ گزارش ہے۔ کہ سہراب جیسے دشمن کے مقابلے میں اس وقت ایران کو رستم کے مشورے۔ مدد اور تلوار کی سخت ضرورت ہے۔ اس لئے اسے ناراض کرنا مناسب نہیں ہے۔ اگر وہ آنے کے بعد رنج و غم کے ساتھ واپس چلا گیا۔ تو ایران اپنے سب سے بڑے خیر خواہ اور سب سے بڑے سپاہی کی خدمت سے محروم ہو جائے گا۔

طوس۔ جلالت مآب۔ رستم کا نعرۂ جنگ سنتے ہی مردہ ہمتیں زندہ ہو جاتی ہیں۔

گر نہیں کچھ بھی اگر ہو سارا عالم اک طرف
لاکھ لشکر اک طرف ہیں اور رستم اک طرف
سلطنت کی آبرو ہے۔ ملک کا اقبال ہے
وہ ہمارے بازوؤں کا زور سر کا ڈھال ہے

کیکاؤس۔ جنگ میں شرکت کے لئے میں نے خط لکھ کر اسے طلب کیا تھا۔ لیکن اس کا زابل سے ایران نہ آنا کیا ثابت کر رہا ہے۔ یہی کہ تمہاری خوشامد اور تعریفوں نے اسے مغرور بنا دیا ہے۔

سمجھتا ہے کہ بجھ سکتا نہیں ہرگز چراغ اس کا
اسی سے بڑھتا جاتا ہے غرور اس کا دماغ اس کا

(رستم کا داخلہ)

رستم۔ اے تاج بخش۔ باج ستاں۔ شاہ کامگار
اے ملک گیر۔ قلعہ شکن۔ شیر کارزار
تو حسن کائنات ہے تو فخر روزگار
قسمت ہو زیر حکم ظفر زیر اختیار
جب تک فلک پہ جلوۂ شمس و قمر رہے
اس تاج کی ضیا سے جہاں میں سحر رہے

کیکاؤس۔ (غصے سے دوسری طرف منہ پھیر لیتا ہے) (دل میں)۔ جھوٹا۔ ریاکار۔

رستم۔ خاقانِ عالم غلام حاضر ہے۔

کیکاؤس۔ تو صرف ہونٹوں سے اپنے کو غلام کہہ کر میرے غصے اور میرے اقتدار کا منہ چڑاتا ہے۔ طلبی کا خط ملنے کے بعد بھی فوراً حاضر ہونے کے بدلے میرے حکم سے بے پروائی برتنا کیا یہی فرض شناس غلاموں کا طریقہ ہے۔ یہ غلامی نہیں نمک حرامی ہے۔

رستم۔ رستم اور نمک حرام۔ خداوند نعمت۔ میرے کانوں نے آج تک ایسے ذلیل لفظ نہیں سنے۔ جو رستم ایران کی اطاعت کو اپنا فرض۔ ایران کی خدمت کو اپنا مذہب۔ اور ایران کی محبت کو ایمان سمجھتا ہے۔ اسے نمک حرام کہہ کر آپ اپنی قدر دانی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

صلہ اچھا ملا مجھ کو میری خدمت گزاری کا
یہی انعام ہے کیا عمر بھر کی جاں نثاری کا

کیکاؤس۔ اب تک میری آنکھوں پر تیری بناوٹی وفاداریوں نے پردہ ڈال رکھا تھا

آج وہ پردہ ہٹ گیا۔ اب میں تجھے تیری اصل شکل میں دیکھ رہا ہوں۔

عیاں ہر حرف ہے مجھ پر تیرے دل کے نوشتے کا
مجھے دھوکہ نہ دے تو روپ بھر کر ایک فرشتے کا

رستم۔ بس جہاں پناہ بس۔ کیا حضور نے سر دربار مجھے ذلیل کرنے کیلئے زابل سے ایران میں طلب کیا تھا۔ اب اور برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔

میں بھی اپنے سینے میں رکھتا ہوں دل انسان کا
دھیان رکھیئے اپنے رتبے اور اپنی شان کا
کیا کہوں۔ دیتا ابھی پتھر سے پتھر کا جواب
شرم آتی ہے کہ کھایا ہے نمک ایران کا

کیکاؤس۔ تیری بے خوفی اور سرکشی دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایران میں دو بادشاہ حکومت کر رہے ہیں۔ آج تیرے غرور کی تجھے سزا دے کر یہ ثابت کروں گا کہ ایران کا شہنشاہ رستم نہیں کیکاؤس ہے۔

رستم۔ میں بھی یہ کہنے کے لئے مجبور ہوں۔ کہ کیکاؤس کی سلطنت اور کیکاؤس کا تاج رستم ہی کی تلوار اور بازو کی مدد سے ابھی تک اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اگر اس دل میں بادشاہ بننے کی خواہش ہوتی تو آج ایران کا تاج کیکاؤس کے سر پر نہیں رستم کے سر پر دکھائی دیتا۔ لیکن میرا کام بادشاہ بننا نہیں۔ بادشاہ بنانا ہے۔ میں تاج پہنتا نہیں۔ تاج بخشتا ہوں۔

نگاہ کرتے ہیں جب میری مہربانی کی نگاہوں کو
میں وہ ہوں بھیک میں دیتا ہوں تاج و تخت شاہوں کو

کیکاؤس۔ یہ سلطنت کا جرم ہے۔ گرفتار کر لو۔ خاموش کھڑے ہو۔ کیا میرا حکم نہیں سنا۔ قید کر لو۔

رستم۔ ناعاقبت اندیش کیکاؤس اپنی تاریکی سے کیانی تاج کی چمک کو کم نہ کرو۔ آج مجھے معلوم ہو گیا کہ جس تخت پر جمشید فریدوں۔ کیقباد جیسے دانا و نامور بادشاہ ایران کا نام روشن کر چکے ہیں۔ تم اس شاہی تخت پر ہرگز بیٹھنے کے لائق نہیں ہو۔

سلطنت ایران کی پائی سمجھ پائی نہیں
ایک بچے کے برابر تم میں دانائی نہیں
راستہ کوئی دکھا سکتا نہیں بدبخت کو
لو چلا میں، اب بچاؤ اپنے تاج و تخت کو

(رستم غصے میں چلا جاتا ہے)

گودرز۔ اعلیٰ حضرت۔ تباہی سہراب کی شکل میں دروازے پر موجود ہے۔ رستم کو واپس بلائیے۔

کیکاؤس۔ کبھی نہیں۔ رستم ایران سے چلا گیا۔ تو کیا ایران کی زمین غلہ نہ اگائے گی ایران کا آسمان پانی نہ برسائے گا؟ ایران میں آفتاب و مہتاب طلوع نہ ہوں گے؟ ایرانی تاج کے چمکتے ہوئے ہیرے کنکر پتھر بن جائیں گے؟ میں رستم کو کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ رستم کی عزت ایران سے ہے۔ ایران کی عزت رستم سے نہیں۔

طوس۔ ایک بار پھر غور کیجئے۔

کیکاؤس۔ ضرورت نہیں۔

طوس۔ افسوس۔ آپ نے آدھی دنیا فتح کر لی۔ لیکن اپنے غصہ کو فتح نہ کر سکے۔

کیکاؤس۔ بس خاموش (غصے میں خنجر لے کر تخت سے اترتا ہے) طوس سر جھکا دیتا ہے۔ گودرز کیکاؤس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ دربان حیران رہ جاتے ہیں۔

باب تیسرا

سین تیسرا

سہراب کے لشکر کی چھاؤنی

(رات کا وقت۔ بہت دور۔ ایرانی اور تورانی لشکر کے خیمے دکھائی دے رہے ہیں۔ ہومان۔ بارمان اور ہجیر کے ساتھ سہراب کا داخلہ۔)

سہراب۔ ہجیر۔ تم میری قید سے رہائی چاہتے ہو؟

ہجیر۔ چاہتا ہوں۔ لیکن ایک شرط ہے۔ ایران میرا وطن ہے۔ میں آپ کا شریک ہو کر ایران کے خلاف تلوار نہیں اٹھاؤں گا۔

سہراب۔ قوم کی جان نثار گرد آفرید کی طرح جس ایرانی دل میں وطن کی محبت نہیں ہے۔ میں خود اسے دنیا کی سب سے زیادہ ذلیل ہستی سمجھتا ہوں۔ اچھا تو میں تمہیں رہائی دوں گا۔ عزت۔ دولت۔ عہدہ اور جاگیر بخشوں گا۔ اور آج سے اپنا عزیز ترین بھائی سمجھوں گا۔ صرف اتنا بتا دو۔ (ہجیر کو سوچ میں دیکھ کر) سنتے ہو؟

ہجیر۔ (چونک کر) سن رہا ہوں۔

سہراب۔ کیا واقعی رستم اس لشکر میں نہیں ہے؟

ہجیر۔ میں نے ایرانی لشکر کا ایک ایک کونہ۔ ایک ایک خیمہ۔ ایک ایک سردار کا چہرہ آپ کو دکھا دیا۔ اور ان سرداروں کے نام رتبے اور عہدے سے بھی واقف کر دیا۔ تعجب ہے کہ پھر بھی آپ میری سچائی پر شک کر رہے ہیں۔

سہراب۔ بیشک میں نے بھیس بدل کر رات کی تاریکی میں تمہارے ساتھ ایرانی فوج کا پوری طرح جائزہ لیا۔ لیکن میرا دل گواہی دے رہا ہے۔ کہ وہ ضرور موجود ہے۔ ہجیر کیا یہ ممکن نہیں کہ رستم کو پہچاننے میں تمہاری آنکھوں نے غلطی کی ہو۔

ہجیر۔ میں رستم کو ایک بار نہیں سیکڑوں بار دیکھ چکا ہوں۔ میری نظر ابھی اتنی کمزور نہیں ہے کہ دیکھی ہوئی صورت بھی نہ پہچان سکوں۔

سہراب۔ تو پھر تسلیم کر لوں کہ رستم زابل سے ایران کی مدد کے لئے نہیں آیا۔

ہجیر۔ مجھے جاسوس سے اطلاع ملی ہے۔ کہ رستم اس جنگ میں کیکاؤس کی مدد کے لئے آیا تھا۔ لیکن کیکاؤس نے سر دربار اس کی بے عزتی کی اور وہ بے انتہا ناراضی اور غصے کے ساتھ اپنے وطن کو واپس چلا گیا۔

سہراب۔ ایک طرف اس کی آواز۔ اور دوسرے طرف دل کی آواز۔ کس آواز کو سچائی کی آواز سمجھوں۔

ہجیر۔ اگر سہراب نے رستم کی جان کو نقصان پہنچایا۔ تو میرے ایران کی کون حفاظت کرے گا! نہیں۔ سچائی کو اندھیرے سے روشنی میں نہ آنے دوں گا۔

سہراب۔ دیکھ ہجیر۔ جس طرح رات کے وقت شکار کی تاک میں بیٹھے ہوئے بھیڑیئے کی آنکھیں اندھیرے میں چمکتی ہیں۔ اسی طرح مجھے تیری نگاہوں میں بھی عجیب خوفناک چمک دکھائی دیتی ہے۔ رستم نہیں ہے۔ یہ کہتے وقت ہوا سے ہلتے ہوئے تنکے کی طرح تیرے ہونٹ کانپ اٹھتے ہیں۔ اور پیلے پتے کی طرح تیرا چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ (گریبان پکڑ کے) خبردار مجھے دھوکہ نہ دینا۔ ورنہ قسم ہے

تلوار کی۔ تیرے خون کو جھری میں بہتے ہوئے پانی سے بھی زیادہ حقیر سمجھوں گا۔ آگے بڑھ۔ اب دنیا میں تیرے لئے دو ہی چیزیں ہیں۔ سچا ثابت ہو۔ تو رہائی۔ اور جھوٹا ثابت ہو۔ تو موت۔ ہاتھ پکڑ کر کھینچ لے جاتا ہے۔)

بارمان۔ جب سہراب رستم کے خیمے کے پاس پہنچ کر نہایت غور سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگا تو اس وقت مجھ کو اندیشہ ہوا۔ کہ ضرور خون کا جوش خون کو پہچان لے گا۔ لیکن شاباش ہے۔ ہجیر کی اس کے ایک جھوٹ نے باپ بیٹے کے بیچ میں سیکڑوں پردے ڈال دیئے۔

ہومان۔ لیکن مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا۔ کہ کیکاؤس کے دربار سے خفا ہو کر چلے آنے کے بعد رستم دوبارہ کیکاؤس کی مدد کے لئے کس طرح راضی ہو گیا؟!

بارمان۔ کیکاؤس نہایت غصہ ور۔ اور جلد باز بادشاہ ہے۔ جوش کم ہونے کے بعد اسے اپنی غلطی معلوم ہوتی۔ آخر اس کے شرمندہ ہونے اور طوس اور گودرز کے سمجھانے سے رستم اپنا ارادہ بدل دینے پر مجبور ہو گیا۔

ہومان۔ اپنے بادشاہ افراسیاب کی آرزو پوری کرنے کے لئے کوشش کرو کہ اس جنگ کے آخر تک باپ بیٹے ایک دوسرے کو پہچان نہ سکیں۔ توران کی سلامتی کے لئے رستم اور سہراب دونوں کو اور دونوں نہیں تو ایک کو ضرور مرنا چاہیئے۔ ورنہ یہ مل کر ساری دنیا کو ایران اور کیکاؤس کا غلام بنا دیں گے۔

(چلے جاتے ہیں)

باب تیسرا

سین چوتھا

میدان جنگ

(اندر سے لڑائی کے باجے اور مارو مارو کا شور سنائی دیتا ہے۔ ایران کے سپاہی پناہ پناہ کہتے ہوئے بھاگتے نظر آتے ہیں۔ گودرز اور طوس کے ساتھ رستم داخل ہوتا ہے۔)

رستم۔ شاباش سہراب۔ شاباش۔ آفریں ہے تیری بہادری کو۔ آفریں ہے تیری ماں کے دودھ کو۔ (طوس و گودرز سے) میدان جنگ میرا وطن اور تلواروں کی چھاؤں میری آرام گاہ ہے۔ میری ساری زندگی خنجروں کی چمک۔ اور خون کی بارش میں بسر ہوئی ہے۔ لیکن میں نے آج تک اتنی بے جگری اور اتنی شاندار بے پروائی کے ساتھ کسی انسان کو موت سے کھیلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس کی حیرت ناک دلیری اور جنگ کا طریقہ دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ایک دوسرا رستم پیدا ہو گیا ـــــ

گودرز۔ لیکن جس طرح آگ پر پارہ اڑ جاتا ہے۔ اسی طرح مقابلے کے وقت آپ کا نام سنتے ہی اس کی طاقت بھی اس کے پاؤں سے علیحدہ ہو جائے گی۔

رستم۔ میں نے صرف ایران کی محبت اور فرض سے مجبور ہو کر ایک سولہ برس کے ناتجربہ کار لڑکے کے مقابلے میں میان سے تلوار کھینچی ہے۔ لیکن میں اس کے سامنے اپنا رتبہ اور نام ظاہر نہیں کروں گا۔ کیونکہ ایک کم سن بچے سے لڑنا رستم کی آبرو نہیں۔ رستم کے نام کی بے عزتی ہے۔

(پھر اندر شور ہوتا ہے)

طوس۔ وہ دیکھیئے۔ وہ دیکھیئے۔ پھر ہمارا لشکر سیلاب کی طرح آگے بڑھنے کے بدلے کنارے سے ٹکرا کر لوٹتی ہوئی لہر کی طرح سمٹ کر پیچھے ہٹ رہا ہے۔

رستم۔ زندگی کی اتنی محبت۔ موت کا اتنا خوف۔ کیا یہ میدان جنگ میں تلوار اور شجاعت کو ذلیل کرنے آئے تھے۔ جاؤ۔ جاؤ شرم دلانے والے لفظوں سے جم گئے ہوئے سمندر میں دوبارہ طوفان پیدا کرو۔ ان سے کہو۔ کہ مایوس نہ ہو رستم زندہ ہے اور ایران کا اقبال بھی زندہ رہے گا۔

(گودرز اور طوس جاتے ہیں۔ اندر دوبارہ شور ہوتا ہے)

ان بزدلوں کی روح میں غیرت کی روشنی بجھ گئی ہے۔ اس لئے انہیں فرض کا راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ یہ کون۔ سہراب۔ ہاں وہی ہے کتنا بہادر۔ کتنا خوبصورت دیکھنے سے آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ میرا فرزند ہوتا۔ تو آج آسمان کی طرح زمین پر بھی دو آفتاب و ماہتاب دکھائی دیتے۔ آہ! وہ موت کی تلاش میں اسی طرف آرہا ہے۔ واپس جا۔ واپس جا۔ نادان۔ تو ایران سے نہیں اپنی قسمت سے جنگ کرنے آیا ہے۔

سہراب۔ چہرہ آگ۔ اور دل برف۔ خوف کی آندھی بلی ریت کے ذروں کی طرح اڑتے پھر رہے ہیں۔ شاید ان بزدلوں کے خیال میں بھاگنے ہی کا نام بہادری ہے۔ کیکاؤس۔ تیری قسمت کے روشن دن کی شام آگئی۔ کل میرے قدم تیرے تخت پر اور تیرا تاج میرے قدموں میں ہوگا۔

(آگے بڑھتا ہے۔ رستم روکتا ہے)

رستم۔ ٹھیر۔ اس جنگ میں خود فتح تیرے خنجر کی دھار اور نصیب تیرے بازوؤں کا زور بن جائے تو بھی تو کیکاؤس تک زندہ نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اس کا تاج تیری امید سے اور تخت تیری ہمت سے بہت زیادہ بلند ہے۔

سہراب۔ یہ چہرہ۔ یہ جلال۔ اے ایرانی بزرگ تو کون ہے۔

رستم۔ ایران کا نمک خوار۔ شہنشاہ کیکاؤس کا جان نثار۔

سہراب۔ (دل میں) میری ماں نے۔ اپنے لفظوں سے میرے دل پر جو رستم کی تصویر کھینچ دی ہے۔ اس تصویر سے یہ چہرہ کس قدر ملتا ہے؟

رستم۔ میں دنیا کی کوئی عجیب چیز نہیں ہوں۔ تو میرے چہرے کی طرف غور سے کیا دیکھ رہا ہے؟

سہراب۔ (پھر دل میں)

وہی شوکت عیاں ہے اس کے تیور اور قرینے سے
اڑے جاتے ہیں نقش دشمنی دل کے نگینے سے
نہ جانے کون کہتا ہے کہ بڑھ قدموں پہ سر رکھ دے
یہی ہے باپ تیرا جا لپٹ جا اس کے سینے سے

رستم۔ وہی خاموشی۔ وہی حیرت۔ تو کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔

آنکھیں کیوں پتھرا گئیں بڑھتے قدم کیوں جم گئے
کیا ہوا جو یک بیک آندھی کے جھونکے تھم گئے
ناز مت کر ہاتھ بے قیمت لہو میں رنگ کر
عورتوں سے لڑ چکا آ مرد سے اب جنگ کر

سہراب۔ جنگ دشمن سے ہوتی ہے۔ عزیزوں اور بزرگوں سے نہیں ہوتی یہ

جنگ خون سے شروع ہو کر آنسوؤں پر نہ ختم ہو۔ اس لئے حملے سے پہلے اے محترم انسان میں تیرے نام اور رتبہ سے واقف ہونا چاہتا ہوں۔

جس کو دیکھا تھا کبھی آئینہ تقدیر میں
دیکھتا ہوں میں وہی جلوہ تیری تصویر میں

رستم۔ تو عجب طرح کی گفتگو کر رہا ہے۔ کیا موت کے خوف سے دیوانہ ہو گیا ہے۔

پوچھتا نام و نشاں اس جنگ کے انجام سے
لڑنے آیا ہے یہاں مجھ سے کہ میرے نام سے

سہراب۔ میں نام اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ یہ چہرہ دیکھ کر میرے دل میں دشمنی کی جگہ تیری عزت پیدا ہو گئی ہے۔

جس کی تلوار سے توران کے لب پہ دم ہے
کیوں چھپاتا ہے یقیناً تو وہی رستم ہے

رستم۔ رستم شیروں سے۔ اژدھوں سے۔ دیووں سے۔ بہادری کے طوفان سے لڑتا ہے۔ اپنی عمر۔ رتبہ اور شہرت کی توہین کرنے کے لئے جنگ کے میدان کو ماں کی گود سمجھنے والے ناسمجھ لڑکوں کا مقابلہ نہیں کرتا۔

سرد ہو جاتے ابھی یہ جوش کیا اور شور کیا
سامنے رستم کے تو کیا اور تیرا زور کیا
کانپ اٹھتا دیکھتے ہی موت کی تصویر کو
جنگ میں رستم نہ آیا۔ دے دعا تقدیر کو

سہراب۔ بہادر بوڑھے۔ میرا دل نہیں چاہتا۔ کہ تجھ پر حملہ کروں۔ میں منت کرتا ہوں۔ کہ مجھے غفلت کے اندھیرے میں نہ رکھ۔ اگر واقعی تو رستم ہے تو اپنی تلوار کو ہاتھ جوڑ کر دو زانو بیٹھ کر تیرے قدموں کو بوسہ دوں گا۔ اور عزت و ادب کے ساتھ سر جھکا کر تیری بزرگی کو سلام کروں گا۔

اور کہوں گا کہ خوش اقبال بنا دے مجھ کو
ہاتھ رکھ سر پہ میرے اور دعا دے مجھ کو

رستم۔ دنیا پر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ سہراب نے رستم جیسے یکتائے زمانہ دلیر سے جنگ کی تھی۔ تو دھوکہ دے کر مجھ سے رستم ہونے کا اقرار کرانا چاہتا ہے۔

کیوں نہ کہتا کہ مجھ میں جنگ کا اب دم نہیں
ہوش میں آ۔ کان کھول کر سن کہ میں رستم نہیں

سہراب۔ اگر تو رستم نہیں ہے۔ تو آنکھ بند ہونے سے پہلے دنیا کو آخری بار حسرت کی نظروں سے دیکھ لے۔

(دونوں میں جنگ۔ آخر سہراب رستم کو گرا دیتا ہے) اور چھاتی پر چڑھ کر خنجر بھونکنا چاہتا ہے۔ رستم سہراب کی کلائی پکڑ لیتا ہے۔

رستم۔ ٹھہر۔ ایران کے بہادروں کا دستور ہے۔ کہ دشمن کو دو مرتبہ شکست دینے کے بعد قتل کرتے ہیں۔ اگر تجھے اپنے بازوؤں کی طاقت پر بھروسہ اور دل میں بہادروں کے دستور کی عزت ہے۔ تو کل مجھے نصیب آزمانے کا ایک اور موقعہ دے۔ کل کا فیصلہ قسمت کا آخری فیصلہ ہوگا۔

سہراب۔ اگر تجھے یقین ہے کہ رات بھر کی خوشامد سے صبح کو قسمت تیری مدد کے لئے آمادہ ہو جائے گی۔ تو اچھا۔ زندگی بچانے کی اس آخری کوشش کے لئے تجھے کل تک کی مہلت دیتا ہوں۔ (سینے سے اٹھ کر) مرد کا زیور بہادری اور بہادری کا زیور رحم ہے۔

(خنجر پھینک دیتا ہے)

باب تیسرا

سین پانچواں

ہومان و بارمان کا خیمہ

ہومان۔ جس کا جوش جوان اور تجربہ بچہ ہے جس کا بازو طاقتور اور عقل کمزور ہے۔ وہ دنیا کو فتح کر سکتا ہے۔ دنیا پر حکومت نہیں کر سکتا۔

بارمان۔ قبضہ میں آئے ہوئے شیر کو دوبارہ حملہ کرنے کے لئے آزاد کر دینا یہ سہراب کی ایسی خوفناک غلطی ہے کہ اس غلطی پر نادان بچے اور دیوانے بھی افسوس کرتے ہوں گے۔

ہومان۔ اس احمقانہ غلطی کو بہادرانہ رحم کہتا ہے۔

بارمان۔ جنگ کیا ہے۔ قتل۔ خون۔ موت کی نمائش ہے۔ یہ جنگ خود ایک بے رحمی ہے۔ بے رحمی کی سلطنت میں رحم کے قانون پہ عمل نہیں ہوتا۔

ہومان۔ یہ اس کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ کہ وہ فتح جو طاقت اور تلوار سے حاصل نہ ہو سکی۔ وہ رستم نے عقل کے زور اور فریب کے حربے سے حاصل کر لی۔

بارمان۔ تو اب کیا کرنا چاہیئے۔ ہمارے بادشاہ افراسیاب کی آرزو اور ہماری کوشش برباد ہوا چاہتی ہے۔

ہومان۔ چلو سہراب کو اس کی غلطی پر شرمندہ کریں۔ اس کی روح میں ایک نئی روح پھونکیں اس کے دل کی نیکی کو عداوت سے اور رحم کے جذبے کو غصے سے بدل دیں۔ اگر ہمارے جھنجھوڑنے سے سہراب کی سوئی ہوئی عقل جاگ اٹھی۔ تو کل کا دن رستم کی زندگی کا آخری دن ہوگا ——

باب تیسرا

سین چھٹا

میدان جنگ

(رستم اداس چہرے اور غمگین دل کے ساتھ مایوس نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے۔)

رستم۔ پروردگار! میں نے کبھی تیرے قہر و غضب کو حقیر نہیں سمجھا۔ کبھی تیری طاقت کے سامنے اپنی فانی طاقت کا غرور نہیں کیا۔ پھر اس ذلت کی شکل میں تو نے مجھے میرے کس گناہ کی سزا دی ہے۔ اوہ۔ دردمندوں کی دوا۔ اور کمزوروں کی طاقت اے ناامیدوں کی امید۔ میں نے کل ساری رات تیرے حضور میں سجدہ ہائے نیاز کے ساتھ آنسو بہا کر مدد کے لئے التجا کی ہے۔ اپنے عاجز بندے کی التجا قبول کر۔ اس بڑھاپے میں دنیا کے سامنے میری شرم رکھ۔ اور ایک بار میری جوانی کا زور و جوش مجھے دوبارہ واپس دے دے ——

عطا کر دے وہی طاقت جو اک تھی میرے دل میں
جوانی کا لہو پھر جوش مارے میری نس نس میں
تیری قدرت پلٹ سکتی ہے۔ سارے کارخانے کو
پھر اک دن کے لئے تو بھیج دے پچھلے زمانے کو

(سہراب کا داخلہ)

سہراب۔ صبح ہوگئی۔ ممکن ہے۔ کہ آج کی صبح اس کی زندگی کی شام ثابت ہو۔ نہ جانے کیا سبب ہے۔ کہ اس کی موت کا خیال آتے ہی میری روح کانپ اٹھتی ہے۔ (رستم کو دیکھ کر) تو آگیا۔ کیا جنگ کے نقارہ کی پہلی چوٹ سے تیری نیند ٹوٹ گئی۔

رستم۔ بہادر اپنا وعدہ نہیں بھولتا۔ میں آدھی رات سے صبح ہونے کا انتظار کر رہا تھا ——

سہراب۔ آج لڑائی کا دوسرا دن ہے۔ جانتا ہے۔ اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا؟

رستم۔ ہم دونوں میں سے ایک کی موت۔

سہراب۔ شیر دل بوڑھے میرا دل تیری موت دیکھنے کے لئے راضی نہیں ہوتا ایک غیبی آواز بار بار مجھے اس جنگ سے روک رہی ہے۔ اگر ایران کی گود بہادر فرزندوں سے خالی نہیں ہے۔ تو جا واپس جا۔ اور اپنے عوض کسی اور ایرانی دلیر کو بھیج دے۔ میں تجھے زندگی اور سلامتی کے ساتھ لوٹ جانے کی اجازت دیتا ہوں۔

رستم۔ کل کی اتفاقی فتح پر غرور نہ کر۔ ہر نیا دن انسان کے لئے نئے انقلاب لے کر آتا ہے۔ تقدیر کا پہیہ ہمیشہ ایک ہی سمت میں نہیں گھومتا۔

گھڑی بھر میں بدلنا ہوگا تجھ کو پیرہن اپنا
منگا کر پاس رکھ لے جنگ سے پہلے کفن اپنا

(جنگ شروع ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سہراب ہاتھ روک لیتا ہے)

سہراب۔ آج میں تجھ میں نیا جوش اور نئی قوت دیکھ رہا ہوں۔ جوان ہمت بوڑھے مجھے پھر شک ہوتا ہے۔ کہ تو رستم ہے۔ میں تیری عزت کا واسطہ اور تیری بہادری کی دہائی دے کر ایک بار پھر تیرا نام پوچھتا ہوں۔ ڈر سے نہیں منت سے۔ غرور سے نہیں عاجزی سے۔

رستم۔ تو میرا ہی نام سننا چاہتا ہے۔ تو سن میرا نام ہے۔

سہراب۔ (خوشی کی گھبراہٹ سے) رستم۔

رستم۔ نہیں سہراب کی موت۔

سہراب۔ افسوس۔ تو نے میرے رحم کی قدر نہ کی۔

(دوبارہ جنگ ہوتی ہے۔ رستم سہراب کو گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھتا ہے۔)

رستم۔
بس اسی ہمت اسی طاقت پہ تھا اتنا غرور
تو کوئی شیشہ نہ تھا کیوں ہو گیا پھر چور چور
کیا ہوا زور جوانی اٹھ اجل ہے گھات میں
دیکھ لے اب کس قدر قوت ہے بوڑھے ہاتھ میں

(سہراب کے سینے میں خنجر بھونک دیتا ہے)

سہراب۔ آہ! اے آنکھو۔ تمہارے نصیب میں باپ کا دیدار نہ تھا کہاں ہو؟ پیارے باپ کہاں ہو؟ پیارے باپ کہاں ہو؟ آؤ۔ آؤ۔ کہ مرنے سے پہلے تمہارا سہراب تمہیں ایک بار دیکھ لے۔

کیا خبر تھی۔ کہ بگڑ جائے گی تقدیر اپنی
آخری وقت دکھا دو مجھے صورت اپنی

رستم۔ کیا اپنی جوانی موت پر ماتم کرنے کے لئے باپ کو یاد کر رہا ہے۔ اب تیرے باپ کی محبت اس کی دعا۔ اس کے آنسو۔ اس کی فریاد کوئی تجھے دنیا میں زندہ نہیں رکھ سکتی۔

مرہم کہاں جو رکھ دے دل پاش پاش پر
آیا بھی وہ۔ تو روئے گا بیٹے کی لاش پر

سہراب۔ بھاگ جا۔ بھاگ جا۔ اس دنیا سے کسی دوسری دنیا میں بھاگ جا۔ تو نے سام و نریمان کے خاندان کا چراغ بجھا دیا ہے۔ تاریک جنگلوں میں، پہاڑوں کے غاروں میں۔ سمندر کی تہہ میں۔ تو کہیں بھی جا کر چھپ۔ لیکن میرے باپ رستم کے انتقام سے نہ بچ سکے گا۔

رستم۔ (چونک کر) کھڑا ہو جاتا ہے۔ کیا کہا؟ کیا کہا؟ تو رستم کا بیٹا ہے۔

سہراب۔ ہاں۔

رستم۔ تیری ماں کا نام۔

سہراب۔ تہمینہ۔

رستم۔ تیرے اس دعویٰ کا ثبوت۔

سہراب۔ ثبوت۔ اس بازو پر بندھی ہوئی میرے باپ رستم کی نشانی۔

رستم۔ جھوٹ ہے۔ غلط ہے۔ تو دھوکہ دے رہا ہے مجھے پاگل بنا کر اپنے قتل کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ (گھبراہٹ کے ساتھ سہراب کے بازو کا کپڑا پھاڑ کر اپنا دیا ہوا مہرہ دیکھتا ہے۔) وہی مہرہ۔ وہی نشانی (سر پٹک کر) کیا کیا؟ کیا کیا؟ اندھے پاگل۔ جلاد۔ یہ کیا کیا۔ شیر جیسا خونخوار۔ بھیڑیئے جیسا ظالم۔ ریچھ جیسا موذی حیوان بھی اپنی اولاد کی جان نہیں لیتا۔ لیکن تو انسان ہو کر حیوان سے بھی زیادہ خونی اور جہنم سے بھی زیادہ بے رحم ہے۔

خون میں ڈوبا ہے وہ جس سے مزہ جینے میں تھا
دل کے بدلے کیا کوئی پتھر تیرے سینے میں تھا
توڑ ڈالا اپنے ہی ہاتھوں سے او ظالم اسے
تیرا نقشہ تیرا ہی چہرہ جس آئینے میں تھا

سہراب۔ فتح مند بوڑھے تو رستم نہیں ہے۔ پھر میری موت پر خوش ہونے کے بدلے اس طرح رنج کیوں کر رہا ہے۔

رستم۔ (رو کر) اس دنیا میں رنج اور آنسو۔ رونے اور چھاتی پیٹنے کے سوا میرے لئے اب اور کیا باقی رہ گیا ہے۔ میں نے تیری زندگی تباہ کر کے اپنی زندگی کا ہر ایک عیش اور اپنی دنیا کی ہر ایک خوشی تباہ کر دی۔ مجھ سے نفرت کر۔ میرے منہ پر تھوک دے۔ مجھ پر ہزاروں زبانوں سے لعنت بھیج۔

فغاں ہوں۔ حسرت و ماتم ہوں سر سے پاؤں تک غم ہوں
میں ہی بیٹے کا قاتل ہوں۔ میں ہی بدبخت رستم ہوں

(سہراب کے پاس ہی زمین پر گر پڑتا ہے۔ اور سہراب اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر چھاتی سے لپٹ جاتا ہے۔)

سہراب۔ بابا۔ میرے بابا۔

رستم۔ ہائے میرے لال۔ تو نے الفت سے۔ نرمی سے۔ منت سے کتنی مرتبہ میرا

نام پوچھا۔ اس محبت و عاجزی کے ساتھ پوچھنے پر لوہے کے ٹکڑے میں بھی زبان پیدا ہو جاتی۔ پتھر بھی جواب دینے کے لئے مجبور ہو جاتا۔ لیکن اس دوروزہ دنیا کی جھوٹی شہرت اور اس فانی زندگی کے فانی غرور نے میرے ہونٹوں کو ہلنے کی اجازت نہ دی میرے بچے۔ میری تہمینہ کی نشانی۔

کس جگہ میرے غم سے میں نہاں رکھوں تجھے
آنکھ میں۔ دل میں۔ کلیجے میں۔ کہاں رکھوں تجھے
بس نہیں انسان کا چلتا قضا و موت سے
کیا کروں۔ کس طرح تجھ کو چھین لوں میں موت سے

سہراب۔ ہو ماں۔ ہاں ماں۔ پھر سب نے مجھے دھوکہ دیا۔ بابا نہ رو میری موت کو خدا کی مرضی سمجھ کر صبر کرو۔

مل گئی مجھ کو جو قسمت میں سزا لکھی تھی
باپ کے ہاتھ سے بیٹے کی قضا لکھی تھی

رستم۔ جب تیری ناشاد ماں بال نوچتی۔ آنسو بہاتی۔ چھاتی پیٹتی ماتم اور فریاد کی تصویر بنی ہوئی سامنے آکر کھڑی ہوگی۔ اور پوچھے گی کہ میرا لاڈلا سہراب۔ میرا بہادر بچہ میری کوکھ سے پیدا ہونے والا۔ شیر کہاں ہے۔ تو اپنا ذلیل منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لینے کے سوا اسے کیا جواب دوں گا۔ کن لفظوں سے اس کے ٹوٹے ہوئے دل اور زخمی کلیجے کو تسلی دوں گا۔

سنوں گا ہائے کیسے مامتا کی اس دہائی کو
کہاں سے لاؤں گا مانگے گی جب اپنی کمائی کو
نگاہیں کس طرح اٹھیں گی مجھ قسمت کے ہیٹے کی
دکھاؤں گا میں کن ہاتھوں سے ماں کو لاش بیٹے کی

سہراب۔ پیارے باپ میری بدنصیب ماں سے کہنا۔ کہ انسان سب سے لڑ سکتا ہے۔ قسمت سے جنگ نہیں کر سکتا۔ آہ! (رستم کی گود سے زمین پر گر کر آنکھیں بند کر لیتا)

رستم۔ یہ کیا۔ یہ کیا میرے بچے آنکھیں کیوں بند کر لیں۔ کیا خفا ہو گئے۔ کیا ظالم باپ کی صورت دیکھنا نہیں چاہتے۔ یہ موت کا گہوارہ۔ یہ خون میں ڈوبی ہوئی زمین پھولوں کا بستر ماں کی گود باپ کی چھاتی نہیں ہے۔ پھر تمہیں کس طرح نیند آگئی۔

میرے بچے یوں نہ جا مجھ کو تڑپتا چھوڑ کے
میرا دل۔ میرا جگر میری کمر کو توڑ کے
ہائے کیا کیا آرزو تھی زندگانی میں تجھے
موت آئی پھولتی پھلتی جوانی میں تجھے

سہراب۔ ماں ..... خدا ..... تمہیں ..... تسلی دے۔

رستم۔ اوہ۔ اوہ۔ بیٹا بولو۔ بولو۔ چپ کیوں ہو گئے۔ آہ۔ آہ۔ اس کا خون سرد ہو رہا ہے۔ اس کی سانسیں ختم ہو رہی ہیں۔ اے خدا۔ اے کریم و رحیم خدا۔ اولاد باپ کی زندگانی کا سرمایہ اور ماں کی روح کی دولت ہے۔ یہ دولت محتاجوں سے نہ چھین۔ اپنی دنیا کا قانون بدل ڈال۔ اس کی موت مجھے۔ اور میری باقی زندگی اسے بخش دے۔ موت موت تو زال و رودابہ کے گھر کا اجالا اور بڑھاپے کی امید۔ میری تہمینہ کا بوٹا۔ کھیلتا ہوا کھلونا کہاں لے جا رہی ہے! دیکھ میری طرف دیکھ۔ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کو تاج و تخت کی بھیک دی ہے۔ آج ایک فقیر کی طرح تجھ سے اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں۔

نامعلوم مصنفین کے ڈراموں کی ایک کڑی

ڈرامہ۔

دورنگی دنیا عرف کسوٹی ڈرامہ "دورنگی دنیا عرف کسوٹی" کے سرورق پر مصنف کا نام مہتہ تلسی داس دت شیدا، کلکتہ لکھا ہے۔ لیکن ڈاکٹر عبدالعلیم نامی کی تحقیقات کے مطابق "دورنگی دنیا" ڈرامہ بہمن جی کابراجی نے پارسی ناٹک منڈلی کے لئے لکھا جو بہت کامیاب رہا۔ (اردو تھیٹر جلد دوم صفحہ ۲۰) اسی کتاب میں آگے چل کر یہ لکھا ہے کہ

"جمعدار کی کمپنی ٹوٹنے کے بعد اس کے مینیجر عبدالرحیم نے پنڈت بیتاب کو مشورہ دیا کہ وہ بمبئی چلے جائیں۔ چنانچہ وہ بمبئی چلے گئے اور جاتے ہی پارسی خسبر ڈرامیٹکل کمپنی آف بمبئی میں پچاس روپے ماہوار اور ساڑھے سات روپے کرایہ مکان پر ملازم ہو گئے۔ پنڈت جی کو ملازم رکھتے ہی ڈائریکٹر نے بہمن جی نوروز جی کابراجی کا "دورنگی دنیا" دے کر فرمائش کی کہ وہ اسے اردو کا جامہ پہنائیں۔ چنانچہ پنڈت جی نے اسے ۳۰ جون ۱۹۰۳ء کو اختتام تک پہنچایا یہ تماشہ ۱۹۰۳ء میں بریڈلے ہال لاہور میں پہلی بار کھیلا گیا۔ نامی صاحب نے پنڈت بے تاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک دوسری کمپنی والوں نے اسی کمپنی کو آگ لگا دی تو یہ لوگ چلے گئے اور پھر نئے سرے سے نیا سامان تیار کر کے "کسوٹی" کھیلنا شروع کیا۔"

"دلال جیٹھا لال واڈی لال (بک سیلرز) احمد آباد نے جو گجراتی ایڈیشن شائع کیا ہے اس پر مصنف کا نام درج نہیں ہے۔ صرف مرتبہ منشی عبدالکریم کلیم لکھا ہے۔ بھائی دیا سنگھ لاہور نے جو اردو ایڈیشن چھاپا ہے اس پر بھی مصنف کا نام درج نہیں ہے۔ مؤلفہ جناب مہتا داس صاحب متخلص بہ شیدا تحریر ہے۔ ایس ایچ بہوری اینڈ کمپنی بمبئی نے "دورنگی دنیا عرف کسوٹی" کے نام سے جو اردو ایڈیشن شائع کیا ہے اس پر مصنف کا پورا نام درج ہے۔ اول دو ایڈیشنوں پر جملہ حقوق محفوظ ہیں تحریر ہے۔"

زیر نظر کھیل کا متن جس کتاب سے لیا گیا ہے اسے نرائن دت سہگل اینڈ سنز — پبلشرز و تاجران کتب لاہور نے مطبع واشنگٹن پریس میکلوڈ روڈ لاہور میں چھپوا کر

پھینک دے جھولی میں تو میرے گل شاداب کو
ہاتھ پھیلاتے ہوا میں دے دے میرے سہراب کو

سہراب۔ (آنکھیں بند کئے ہوئے) دنیا۔ رخصت۔ خدا۔ (مر جاتا ہے)

رستم۔ آہ۔ جوانی کا چراغ۔ آخری ہچکی لے کر بجھ گیا۔ بے رحم موت نے میری امید کی روشنی لوٹ لی۔ اب لاکھوں چاند۔ ہزاروں سورج مل کر بھی میرے غم کا اندھیرا دور نہیں کر سکتے۔ آسمان ماتم کر۔ زمین چھاتی پیٹ۔ درختو۔ پہاڑو۔ ستارو۔ ٹکرا کر چور چور ہو جاؤ۔ آج ہی زندگی کی قیامت ہے۔ آج ہی دنیا کا آخری دن ہے۔ زندگی دنیا کہاں ہے زندگی۔ کہاں ہے دنیا۔ زندگی سہراب کے خون میں اور دنیا رستم کے آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

دیوانوں کی طرح پکارتا ہے۔ سہراب۔ سہراب۔ سہراب ——
(غش کھا کر گر پڑتا ہے)

شائع کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ نامعلوم مصنف کے کھیل "دو رنگی دنیا عرف کسوٹی" کے پہلے باب کے چند ایکٹ ———

باب پہلا۔

پردہ پہلا

دلبر کا مکان

(دلبر کا داخل ہونا)

گانا

لڑکے:۔ قدرت ثمرت اب تیرے سارے
دھیان گیان تیرو رہت دن رینا
تو ہے نہارے نشارے دل
جان مال کو تو پہ واروں ——— قدرت
راجن کے راج جگ مال امر ستار و راج
پربت کو کرے پل میں رائی امیو پنک نواز
جگ میں حکمرانی عالم میں سلطانی
تھاری ہے جانی - لاثانی - نورانی
(میاں قدرت)

دلبر:۔
دھن نیرن دھن نرگن دھن جگت پتی پاپ دھن پاؤں نبتی توری کرتی۔ دریا دھاری حافظ کاری صوفی بھاری نوری ناری دنیا ساری۔ جانے نہ توری گتی ہر چند ہوا سند سے ھند آتی۔ نیدن ھوا یہ چاہتی۔ اس دنیا میں ہوا بہتی پاپ دھن پاپ ——— دھن۔

(قباد کا آنا)

قباد ـ چھلکے ہوتے ہیں مارِ سیاہ۔ یا بال ہیں کاندھوں پر معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح کہ دو جال ہیں کاندھوں پر پیاری دلبر!

دلبر ——— بھائی قباد!

تکلف سے بگاڑی سادگی تم نے کنواری کی
ضرورت کیا ہے میرے نام میں اس پیاری پیاری کی

قباد ——— تو کیا دلبر کے ساتھ پیاری کا نام اوّل جلوں معلوم ہوتا ہے؟

دلبر ——— نہیں۔ لیکن طول فضول معلوم ہوتا ہے۔

قباد ـ اچھا تو میں آئندہ نام کو طول نہ دوں گا۔ مختصر طور پر پیاری ہی کہا کروں گا۔

دلبر ـ ہوں۔ کہا کروں گا۔ مگر اس نام سے تو بولنا نہ بولنا میرا کام ہے۔

قباد ـ پیاری دلبر! میری طرف سے اس قدر بے دلی؟

دلبر ——— نہیں بھائی! بے دلی نہیں۔ اس کا نام ہے عاقبت اندیشی۔

قباد ——— تو کیا تجھے مجھ سے محبت نہیں!

دلبر ——— ہاں بھائی! میں قسم کھاتی ہوں۔ کہ مجھے تم سے نفرت نہیں۔

قباد ـ محبت ہے نہ نفرت ہے۔ عداوت ہے نہ دم سازی
کرے کس شوق سے کیسے کوئی جاں باز جانبازی

دلبر ـ سچ پوچھو تو اس طرح سے رشتۂ الفت کے ٹوٹ جانے کا ڈر ہے۔

گانا

جہاں کا دشواس نہیں یہ جانت سب کوئے
گرہ میں دھن کی گانٹھ میں پریم ہی ہے اس ہوئے
ارے داسی بنوں پل کی۔ تھن ہو جو جی کی
تہیں مانوں کسی کی۔ بس مانوں اسی کی
وارون واہ پہ تن۔ جن ہو سجن۔ مکل بدن امن ہونی
داسی بنوں۔
دیپک بن کہیں بیل پر انگ پتنگ جارے یہی دیتی اتی کی
امنگ گئی سب پھیکی۔ اتی نیکی نہیں نیکی
داسی بنوں۔

قباد ـ موم کا پتھر سے ہے دشوار میل
واہ کیا نکلے۔ ہے شکل داغ بیل
سوزِ پروانہ سنے تو کیا سنے
کانوں میں ڈالے ہوئے ہے شمع تیل

پیاری دلبر ـ یہ ہے امید ہم بن جائیں دونوں تار بجلی کے
ادھر مثبت۔ ادھر منفی ہوں دونوں تار بجلی کے

دلبر ـ ادھر شعلے بھڑکتے ہیں ادھر ہے تاک پہ پانی
بھلا سلگے تو کیا سلگے ادھر آتش ادھر پانی
جو ملنے والے ہیں مل جائیں گے۔ کیا اضطرابی ہے
کھنچا ایک تار تو پھر صورت ناکامیابی ہے
میں مچھلی ہوں پیارے اور اپنے دام میں خوش ہوں
تو اپنے کام میں خوش ہے میں اپنے کام میں خوش ہوں

قباد ـ افسوس نخل مراد بار آور نہ ہوا۔ کیا ماموں کی بیٹی سے پھوپھا کا بیٹا ایک واجب محبت کا حقدار نہیں؟

دلبر ـ تو یہاں کسے انکار ہے؟

قباد ـ اچھا خدا تجھے ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ اپنے بہنوئی کے قدم لوں گا۔ تجھے دیکھوں گا اور دعا دوں گا۔

(قباد چلا جاتا ہے)

دلبر ـ آہا! کیا نیک دل ناکام ہو چلا ہے۔ میں وعدہ وفائی میں راضی ہوں۔ میں ہر طرح سے راضی ہوں تیری رضا میں۔

(دلبر کا والد شیام آتا ہے)

شیام ـ بیٹی دلبر! جال اب (تک) تیار نہ کیا! تھوڑی دیر میں دریا اتر جائے گا۔ تو کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔

دلبر ـ ارے والد مہربان! بہانا کہ دریا اتر جائے گا۔ کنارہ کٹ جائے تو کیا رزق بھی تقدیر سے لے جائے گا۔

ہمیشہ عالم ہستی میں جب ہو وے بشر پیدا
تو ہو وے دودھ ماں کی چھاتیوں میں پیشتر پیدا

شیام۔ تو لا۔ میں ابھی اس کو تیار کروں۔

گانا

نیا توری بھیا پرانی بھئی پرانی بھئی دھرانی بھئی
گھاٹ نہ سوجھے پاٹ نہ سوجھے بھولے کھویا کھاتی
لمبی۔ اندھیارا ہے۔ کارا یہ سارا جہاں
نہ ہے ساتھی یہاں نہ سنگھاتی وہاں
باورے من موہن بہکے جائے۔ بہکے جائے
جانے کہاں سے کہاں۔ نیا توری

اچھا یہ جال تیار ہوا۔ اب میں جاتا ہوں۔

(شیام کا جانا)

(انور اور گوہر کا آنا۔ بابک کا سائڈ میں چھپ کر دیکھنا)

انور۔ عجب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔

گوہر۔ یہ پنکھے نسیم سحر جھل رہی ہے۔

بابک۔ (سائڈ میں)

اور تیسری حسرتمیں پاؤں سے مل رہی ہے

انور۔ شفق سے ہوئی کیسی خوش رنگ بدلی

گوہر۔ کسی ماہ وش نے ہے پوشاک بدلی

پیارے انور! آج تو تو نے مجھے لونڈی بے دام بنایا۔ کل جو میں نے رقعہ بھیجا تھا۔ اس کے موافق یہاں آیا۔

انور۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔

بابک۔ (سائڈ میں) یہیں تیرا بابک بھی ساتھ ہے۔

انور۔ کیوں گوہر! تو یہاں اکیلی آئی؟ بھائی سے چھپ کے چلی آئی؟

گوہر۔ کیا کہوں۔ کل سے جو مجھے نہ کل آئی۔ قدم چومنے صاحب کے سر کے بل آئی۔ ہاں مگر میرے بھائی خیر سلا کو تو تمہاری دختر عم کے ساتھ شادی کرنے کی پڑی ہے۔

انور۔ خیر ہر ایک کام کی مقرر گھڑی ہے۔ اب میں چلتا ہوں کیونکہ آفتاب بھی اپنے آشناؤں سے سلام کر رہا ہے۔ مادر والد کی خفگی کا بھی خیال ہے۔

گوہر۔ مگر مجھے تو اس قدر پیاس نے تنگ کیا ہے کہ دو قدم بھی چلنا محال ہے۔

انور۔ پاس تو یہ گھر شاید کسی ماہی گیر کا معلوم ہوتا ہے۔ وہ پرانا جال بھی پڑا ہوا ہے۔

(انور کا دلبر کے مکان پر دستک دینا۔ دلبر کا انور کو دیکھ کر شرمانا)

انور۔ کیا تعجب ہے۔ کہ یہ چاند ادھر سے نکلا۔ چبھ گیا دل میں۔ اے پر کیا اس کی نظر سے نکلا۔ کیا بُرا وقت تھا جس وقت میں گھر سے نکلا۔

(انور کا دلبر سے آنکھ ملانا)

گوہر۔ لڑکی! ہم لوگ پیاس سے اس وقت سخت بلبلا رہے ہیں۔ اگر تھوڑا دودھ پلا دے۔ تو منہ مانگا انعام پائے۔

دلبر۔ جناب دام کا نام لینا کیا ضرور ہے۔ میں ابھی جاتی ہوں اور آپ کے لئے دودھ لاتی ہوں۔

(دلبر جونہی قدم اٹھاتی ہے۔ انور اسے روکتا ہے)

انور۔ مگر دیکھنا۔ کہیں دودھ میں پانی نہ ہو۔

دلبر۔ حضور۔ دودھ پانی مل چکے ہوں گے۔ تو ان کو الگ کرنا از حد محال ہو گا۔

دودھ اور پانی میں ہے یکی وفا
جیتے جی مل کر نہیں ہوتے جدا

انور۔ اچھا اچھا۔ جاؤ لے آؤ۔

میں گیا وفا سے جائیگی تشنہ دہانی بھی
سہارے دودھ کے پی جائیں گے دو گھونٹ پانی بھی

دلبر۔ نوازش۔ مہربانی۔ ورنہ کہاں دودھ اور کہاں پانی۔

(دلبر کا جانا)

گوہر۔ (بخود) طور انور کا نرالا ہے۔ دل میں کچھ ضرور کالا ہے۔

انور۔ (بخود) یہاں پہ رہتی ہے بے گھر کیوں کر؟ زمین پہ بستی ہے سراپا نور کیوں کر؟

گوہر۔ انور۔ انور۔ طبعیت کا کیا حال ہے۔ کدھر خیال ہے؟

یک بیک طبع ہو گئی ناساز
رنگ چہرے کا کر گیا پرواز

انور۔ مجھے معلوم ہے یہاں کا راز۔

(دلبر کا دودھ لے کر آنا)

دلبر۔ یہ لیجئے۔

انور۔ اے ماہ لقا! یہ تو بتا۔

زمین پر کس طرح رہتی ہے چرخ عنبری ہو کر
بسی ہے کس لئے جنگل میں تو رشک پری ہو کر

دلبر۔ میں کب پری شمائل ہوں۔ میں غریب ہوں۔ اس لئے جھونپڑی کے قابل ہوں۔

انور۔ غریب ہو؟ تمہارا کسب معاش؟

دلبر۔ کشتی بانی یا مچھلیوں کی تلاش۔

انور۔ باپ کا نام؟

دلبر۔ شیام۔

انور۔ شیام! آہا وہ بزرگ ذی شان۔ بھلی نامی کشتی کا کشتی بان؟

دلبر۔ جی ہاں۔

انور۔ اسم شریف؟

دلبر۔ دلبر نحیف۔

انور۔ سراپا دلبر۔

دلبری کی کون سی چھب چھند دلبر میں نہیں
اک نظر دیکھا جو دلبر کو تو دل بر میں نہیں

گوہر۔ (غصہ سے) ہاں جی ہاں۔ بہت ہو چکا۔ بس صاحب! اب آؤ بے تکی ہانک نہ لگاؤ۔

حیف صد حیف کمینوں سے یہ فرماتے ہو
شرم کی بات ہے۔ ایک لڑکی کو شرماتے ہو

انور۔ گوہر۔ دیکھو تو سہی خدا کی دین بھی نعمت صورت بھی سیرت بھی لیاقت بھی تحمل بھی ناز انداز بھی دیکھا ہے کونسی بات کی کمی ہے

گوہر۔ بس زیادہ نہ بکو۔ چلو۔

(ہاتھ پکڑ لینا)

انور۔ اچھا۔ تم اپنے باپ سے کہہ دینا کہ ہر روز چار بجے شام کے کشتی تیار رکھے۔

دلبر۔ اچھا تم اپنا نام تو بتلا جاؤ۔

انور۔ بس یہ کہہ دینا کہ امیر سعید کا لڑکا انور کہہ گیا ہے۔

دلبر۔ (سائڈ میں) انور۔ واقعی انور!

(گوہر کا دلبر کو غصے سے پیسے دینا)

گوہر۔ لے ری تھام۔ اپنے دودھ کے دام۔

دلبر۔ حضور دام کا نام نہ لینا۔

مجھ سے جو بن پڑا وہ خدمت کی
کیا ضرورت بھلا ہے قیمت کی

گوہر۔ جو بن پڑا۔ جو بن پڑا۔ ہم نہیں کسی کا احسان رکھتے۔ پہلے ناک پر پیسہ دھرتے ہیں۔ پیچھے بات کرتے ہیں۔

(گوہر زبردستی انور کو کھینچ کر لے جاتی ہے)

دلبر۔ واہ رے تیرا غصہ۔ یہ نک توڑا۔

کیا ٹھیک کر چلی دی تو پیسے کسی کی ناک پر
بیٹھنے دیتی نہیں بی بی تو مکھی ناک پر

اُف رے مغرور۔ تیرا غرور۔ یاد رکھ بے شعور! کس قدر ہر کھینچ تھا جہان بھی۔ میرے گھر کا لے گیا سامان بھی۔ دل تو ملا لیکن نظر آتا نہیں ایمان بھی۔

گانا

سانوریا من ہر لینو رے۔ من ہر لینو۔ من ہر لینو مورا من ہر لینو رے
گال گلابی۔ ہونٹوں پہ لالی۔ بال جال۔ انکھیاں متوالی جدوا چھب کرتی۔ چتون جی ہرتی۔ نینن سینن پر سب جگ مرتی سیج رنگیلی۔ دیکھ چھبیلی۔ نیناں ملا کے۔ چھب دکھلا کے موہے لے لینو رے سانوریا۔

باب پہلا۔

پردہ دوسرا

امیر سعید کا مکان

(ناظر داخل ہوتا ہے)

گانا

ناظر۔ مکر و فن کے۔ فتنہ پن کے۔ سب چلن کے گُن ہیں یاد
چکر چل کے۔ سب سے چھل کے کروں برپا نیا فساد
سوتے فتنے کو جگاؤں۔ ایک ایک سے ملاؤں۔ گل کھلاؤں
رنگ لاؤں۔ پاؤں پاؤں دلی مراد۔

زیر فرمان ہیں سب آج میرے مکر و فریب
دیکھ کر مجھ کو دغا راہ عدم لیتی ہے
رشک کی دیوی نے دھونی وہ جگا رکھی ہے
تن بدن میں میرے اک آگ لگا رکھی ہے

(بابک کا چھپ کر آنا۔ الٹا ایک طرف کھڑا ہو جانا)

کیا ہوا جو امیر سعید نے مجھے دو برس کے بچے کو پالا۔ جو کچھ کیا۔ وہ میرے مرحوم باپ یعنی اپنے دوست کی دوستی کا حق ادا کیا۔ مجھ پر کیا احسان کیا۔ اور بڈھے بے ایمان اُٹھا اپنے بیٹے کی شادی تو امیر شریف خاندان میں کیا چاہتا ہے اور میرا معمولی نکاح اس حکیم لعین شفاء اللہ کی دختر سے کیا چاہتا ہے۔

سب چال ہے تیری میری نظر میں
تیرے گھر کا دشمن ہوں میں گھر میں

اب اس کے بیٹے انور کا خانہ خراب کروں تو کیا کچھ بُرا کام ہے۔ نہیں۔ بلکہ دنیا داری اس کا نام ہے۔

اب انور کو نہ دکھوں میں کہیں کا
مناسب ہے بنوں سانپ آستیں کا

بابک۔ (ظاہر ہو کر) ہیں! آستیں کا۔

(ناظر کا ڈر جانا)

ناظر۔ ہیں کون؟ بابک!

بابک۔ جی ہاں!

ناظر۔ تو کہاں؟

بابک۔ بس یہاں!

ناظر۔ کہاں نہاں؟

بابک۔ جی عیاں!

ناظر۔ کب سے آیا ہے اور کس مطلب سے آیا ہے؟

بابک۔ حضور پہلے کون سی بات کہوں؟ میں نے سلام کیا۔ مگر حضور نے منہ پھیر لیا۔ اور جواب تک نہ دیا۔

ناظر۔ (سائڈ میں) غضب ہوا۔ مگر تو نے کچھ سنا تو نہیں!

بابک۔ جی سنا تو سہی۔ مگر سمجھا نہیں۔

ناظر۔ شکر ہے۔ بھلا کیا سنا؟

بابک۔ میں کسی پڑھے لکھے سے پوچھ لوں گا۔ آپ کو ایسی حالت میں غصہ نہ دلاؤں گا۔

ناظر۔ بیان تو کر۔ کیا سنا؟

بابک۔ جناب آپ آستین کے سانپ کیونکر بنیں گے۔ سانپ تو پتلا ہوتا ہے ماشاءاللہ اس ڈیل ڈول پر اگر آپ بنیں گے۔ تو تجربے بھاری اژدھا کہلائیں گے۔

ناظر۔ ارے بیوقوف یہ تو۔ یہ تو ایک محاورہ ہے۔

بابک۔ اس محاورے کے کیا معنی ہیں؟

ناظر۔ ارے احمق! محاورے کے معنی کچھ نہیں ہوا کرتے ہیں۔ صرف فصاحت کلام کے لئے بولا کرتے ہیں۔

بابک۔ اچھا تو اس محاورے کو نوک بر زبان کروں گا۔ اور آپ کو استاد بیان کروں گا۔

ناظر۔ (سائڈ میں) اب اس چغل خور۔ بدبخت۔ روسیاہ کا منہ بھرنا چاہیئے۔ اور ابھی کباب اپنا شکر کرنا چاہیئے۔ نہیں تو مجھے بدنام کر دے گا۔ اور اس حال سے سب کو آگاہ کر دے گا (ظاہرا) بابک دیکھ یہ کیا ہے؟

بابک۔ یہ دریا سے بچانے والا تُوبڑا۔ دشمن سے بچنے کو اوٹ۔ یعنی مو

روپے کا نوٹ۔

ناظر۔ کیا تُو اس کے اوصاف بھی جانتا ہے؟

دنیا میں نہیں کوئی شے بہتر اس سے
بلکہ ہر عیش زمانہ ہے میسر اس سے

بابک۔ بے شک۔

موم پتھر ہو کبھی۔ موم ہو پتھر اس سے
آگ پانی میں لگے۔ آگ ہو پانی اس سے

ناظر۔ اگر گوہر کو تُو میرا سلام اور کچھ زبانی پیغام پہنچائے۔ تو لے یہ لے۔

(نوٹ دے کر)

بابک۔ اجی زبانی پیغام کیا ہے۔ یہیں آپ کو ملا سکتا ہوں۔

ناظر۔ شاباش! مرحبا۔ بس آج سے تُو میرا رازدار اور میں تیرا مددگار۔ چل ذرہ تجھے علیحدہ سمجھاتا ہوں۔

بابک۔ (بہ خود) چل بچہ۔ تجھے بھی چچا ہی بنانا ہے۔ (دونوں چلے جاتے ہیں)

(دوسری طرف سے پھولوں کی ٹوکری سر پر رکھے ہوئے ببک کا گاتے ہوئے داخل ہونا)

ببک۔ ابھی بالی عمریا ہے موری۔ نازسوں میں چل بلیاں چل بلیاں۔ رنگ رلیاں اپنی رنگیلی چھٹ چھبیلی بنی آن بان پیاری اب کا رے کروں۔ اب جیا میں پیا کی دھن سمائی نیند نہ آئی نملائی پیارا جو نیارا جوبنا کھل پل جوبنا ابھی ——

(بابک کا آنکھ بچا کر آنا اور سائڈ میں کھڑے ہو جانا)

ببک۔ ذرہ سے یہ گیسو کی کیا بات ہے واللہ۔

بابک۔ (سائڈ میں) کوتہ نشینی کی کیا بات ہے واللہ۔

ببک۔ میرے پھول جیسے یہ گال دیکھیئے۔

بابک۔ یعنی گینڈے کی وہ ڈھال دیکھیئے۔

ببک۔ میری ناک سانچہ قدرت میں ڈھلی ہے۔

بابک۔ نہیں دیوار پہ یہ چھپکا ہے۔

ببک۔ یہ میرے موتی جیسے کس نے دانت دیکھے۔

بابک۔ جی یہ عین ولائتی جوتے کے ٹانکے۔

ببک۔ یہ میں نے سنگھار کیا کیا گویا اپنی مالکہ دلارام پر وار کیا۔ خدا نہ کرے کہ کہیں دلارام کا ہونے والا شوہر خیر سلا۔ دیکھے تو کیا مجھے چھوڑ دے۔

(خیر سلا کا اندر سے آواز دینا)

خیر سلا۔ ارے بابک کہاں ہے؟

بابک۔ مجسم یہاں ہے۔

ببک۔ بیچاری ببک۔ پیارے بابک سے کیسے ملیں گی۔

(بابک کا ظاہر ہو کر بغل گیر ہو جانا)

بابک۔ پیاری ایسے ملے۔

ببک۔ اُدئی میں تو ڈر گئی۔

بابک۔ خیر ہوئی۔ جو جان سے نہ گزر گئی۔

ببک۔ ایں! کوستا ہے نادان۔

بابک۔ کوستا نہیں ہوں میری جان۔

کوسنے سے تیرے عاشق نہیں ڈرنے والے
لطف جینے کا اٹھاتے ہیں تو مرنے والے

ببک۔ اور میں بھی تو مرتی ہوں۔ اس تیری بھولی بھالی صورت پر۔

بابک۔ اور پیاری میں بھی تو دانت رکھتا ہوں۔ تیرے بوسے پر۔

ببک۔ تُو آیا کب؟

بابک۔ تُو نے دیکھا جب۔

ببک۔ کیا آج بھی کوئی خط لایا ہے؟

بابک۔ نہیں تو کیا بابک خالی آیا ہے۔ آج تو ایک خط چھوڑ پلا خط لایا ہے۔

ببک۔ وہ کس طرح؟

بابک۔ دیکھ لینا۔ جس طرح۔

ببک۔ بیان تو کر کیا ہے۔

(مُنہ بنانا بابک کا)

کیا اسی کا نام زبانی بیان ہے؟

بابک۔ پیاری جو زبان سے نکالا جائے۔ وہ زبانی بیان ہے۔

ببک۔ اچھا پھر ذرہ پڑھ کر سنا۔

بابک۔ میں لکھنا تو جانتا ہوں۔ مگر پڑھنا فضول مانتا ہوں۔

ببک۔ لکھنا سیکھا۔ تو پڑھنا کیوں نہ سیکھا؟

بابک۔ پیاری ببک!

اس وقت الٹی ہوا تھی زمانے کی
رسم ہی نہیں تھی پڑھنے پڑھانے کی

ببک۔ مگر بابک۔ تیرے مالک نے اس میں کچھ اُلٹا سیدھا لکھا ہو۔ تو پھر تو ستیا ناس۔

بابک۔ خیر پیاری شمع شبستان۔ میری ببک مہتاب جان۔ اب دلارام کی شادی کا کیا انجام۔

ببک۔ اجی ان کی شادی کا کیا بھروسہ۔

بابک۔ جس دن خیر سلا اور دلارام کی شادی ہو گئی۔ اس دن ہم دونوں کی بربادی۔ ارے نہیں۔ بلکہ خانہ آبادی ہو گی۔

ببک۔ میری مالکہ نے سو روپے کا اقرار کیا ہے۔

بابک۔ اور ادھر بھی میرے مالک نے یک صد روپے کا اقرار کیا ہے۔

ببک۔ پھر دو سو روپے کا ہوا انعام مجھ کو۔ مگر تُو دلارام کو کیا جواب دے گا؟

بابک۔ بندہ کوئی شوشہ زبان پر لائے گا۔

ببک۔ دیکھ دیکھ وہ دلارام آتی ہے۔ ذرہ ہوشیاری سے کام لینا۔

بابک۔ اچھا اگر تُو بھولے گی۔ تو میں بتا دوں گا۔ اور جو میں بھول گیا۔ تو مجھے پگ ڈنڈی پر چڑھا دینا۔ ذرہ اشارے سے جتا دینا۔

دلارام۔ ہیں! کون! بابک! میں تو تیری راہ تکتی تھی۔ میری آنکھ نہ راتوں کو جھپکتی تھی۔

بابک۔ آنکھ کا پھڑکنا! یہ اچھا ڈھونگ ہے۔

دلارام۔ لا میں دلدار کو ذرہ آنکھوں سے تو لگاؤں۔

بابک۔ رستے میں لُوٹے چور تو میں کیا بتاؤں۔

ولارام۔ ہیں۔ یہ غضب ہوا۔ کیا انہوں نے کوئی خط نہیں دیا؟

بابک۔ حضور! خط تو انہوں نے ۔ ۔ ۔ ۔ (ٹھہر کر) حضور کیا بتاؤں۔ (خود سے) اگر کہوں۔ کہ لایا تو کہاں سے لاؤں۔ کہوں تو مفت میں آپ کو غصہ دلاؤں۔

ولارام۔ خیر سلا اور مجھے خط نہ لکھے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ دیکھ تیری جیب میں شاید نہ پڑا ہو۔

بابک۔ (خود سے) ارے یہ عورت قوم آسیب نہ ہو۔ کہ جس نے میرا حال جانا۔

ولارام۔ میں سمجھی۔ وہ خیر سلا تو پیر ہو گیا تھا۔ بس اس روز کے روٹھے منانے سے ہو گیا آشکار۔ میں جانتی ہوں۔ کہ کوئی بڑا ہے مکار۔ قصوروار۔

بابک۔ قصوروار آپ یا ہماری سرکار؟

ولارام۔ تو کیا میں ہوں قصوروار؟

بابک۔ جی نہیں۔ یہی ہے آپ خطا دار۔

ولارام۔ میں دو لفظی خط لکھتی ہوں۔ تم اسے دے دینا۔

بابک۔ (خود سے) ارے ارے یہ تو بُرا ہوا۔ اجی سرکار ذرہ ادھر آئیے۔

ولارام۔ کیوں کیا ہے؟

بابک۔ زہر کیوں دینا جو کوئی شک کر سکے۔ گانٹھ کو کیوں توڑنا جو گانٹھ ناخن سے کھلے۔ اب یہ کیجئے۔ ان کو شرمندہ کیجئے۔

خط ملا ہے آپ کا چھاتی سے لگا رکھا ہے
دل کے بہلانے کو تعویذ بنا رکھا ہے

بکبک۔ مانتی ہوں۔ اے بھائی! سب بات برابر جانتی ہوں۔ اس سے ضرور وہ شرمائے گا۔ اور معافی مانگنے چلا آئے گا۔

ولارام۔ اچھا یہی لکھ دیتی ہوں۔

(ولارام کا جانا)

بابک۔ واہ ری پھدک فاختہ۔ ہوش باختہ! ذرہ سے دھوکے میں آگئی۔ اناڑی سے پھندہ کھا گئی۔

بکبک۔ آج تو کر کے دکھایا بڑا جادو تُو نے
خوب بے پر کی اڑائی میرے اُلّو تُو نے

(ولارام کا آنا)

ولارام۔ لے۔ یہ دینا اس بے وفا پُر خطا کو۔

بکبک۔ بابک! کیا تُو یہ خط دے گا خیر سلا کو؟

بابک۔ دینے میں کیا ہے۔ یہ تو صاف خط کی رسید ہے۔

بکبک۔ دیکھنا بھول نہ جانا۔

بابک۔ ارے بھولوں گا کیسے؟ یہاں کا ادھر۔ وہاں کا ادھر۔

(بابک کا جانا۔ امیر سعید کا آنا)

امیر سعید۔ بکبک!۔ ولارام کہاں ہے؟

بکبک۔ اندر ہے۔

امیر سعید۔ ذرہ بلا لاؤ۔

(بکبک ولارام کو بلانے جاتی ہے)

یا غفور الرحیم یا کریم! میں اگر اپنے فرزند جگر پیوند کو صحیح سلامت پاؤں گا تو سمندر کی بھینٹ نذر چڑھاؤں گا۔

(ولارام کا داخل ہونا)

(ولارام سے) بیٹی! تمہارا بھائی سیر دریا کو گیا ہے۔ اور دریا میں طوفان برپا ہے میں جاتا ہوں۔ تم گھبرانا نہیں میں ابھی آتا ہوں۔ اور تمہارے بھائی کو ساتھ لاتا ہوں۔

ولارام۔ اے میرے والد مہربان! میں تو بالکل گھبرا گئی۔ میں تو ضرور اپنے بھائی کو دیکھنے چلوں گی۔

امیر سعید۔ اچھا تو آ میرے ہمراہ۔

(دونوں کا جانا)

باب پہلا۔

پردہ تیسرا

(سمندر میں طوفان کا نظر آنا)

ناظر۔ رنگ اپنا جما لیا میں نے
بھید جو کچھ تھا پا لیا میں نے
ایک گھٹتے کو نان کا ٹکڑا
دے کے اپنا بنا لیا میں نے

(لڑکوں کا داخل ہونا)

گانا

یارو دیکھو زور پہ ہے پانی
موج بھاری طوفان ہے یہ کیسا
ایسی ناہیں ہے دیکھی طغیانی
بادل ہے گرج رہا۔
آئی ہے چو طرف کیسی ڈراؤنی یہ گھٹا
پانی بھی ہے تیری ایسی تیسی کاری زور سے
پاجی ۔ دیکھا جی یہ کیسے کہا جا
آؤ دیکھو بہار لو۔ کھیلو کودو
گاؤ ناچو رنگ جماؤ
کیا کرے گا۔ یہ کروں گا

قباد۔ توبہ توبہ الٰہی! تیری پناہ! آج کی سمندر کی لہروں نے تو وہ طوفان بپایا ہے گویا آسمان سر پر اٹھایا ہے۔

مادر۔ قباد بھائی سمجھو۔ کشتی کیسے باہر آئے گی۔ دل میرا دلبر میں ہے۔ جان میری شیام میں ہے۔

قباد۔ ماں! شیام ہے استاد اپنے کام میں۔ خدا نہ کرے اگر شیام کی کشتی طوفان نے برباد کی۔ تو سمجھ لینا کہ زندگی اتنی ہی تھی قباد کی۔

امیر سعید۔ میری کشتی بھنور میں آئی ہے یا رب نکل جائے۔

ولارام۔ الٰہی! یہ بلائے ناگہانی سر سے ٹل جائے۔

ناظر۔ (سائڈ میں) دریا میں انور کو کوئی مچھلی نگل جائے۔

امیر سعید۔ ہے افسوس! امیر کی زندگی کا سہارا کوئی نہیں۔

دلارام۔ بھائی ہمارا کوئی نہیں۔

امیر سعید۔ ہے افسوس انور بھی ہے ناداں کیسا!

دلارام۔ برپا ہے دریا میں طوفان کیسا۔

امیر سعید۔ الٰہی! دھڑکتا ہے یہ میرا دل اور یہ سینہ۔

ناظر۔ (سائڈ میں) مٹاؤں تیری زندگی کا سفینہ (ظاہر ہو کر) چچا جان! آپ یہاں آئے۔ اور میں ڈھونڈتا رہ گیا کیا کچھ بھائی کا پتا چل گیا؟

امیر سعید۔ بیٹا! ابھی تو کچھ کھٹکا نہیں ہے۔

ناظر۔ سیر دریا کو جانا کیا۔ ماہی گیر کے گھر جانا گیا۔ ایک کمینی سے دل کو لگانا گیا۔

قباد۔ کون کمینہ ہے؟ ذرہ ہوش سنبھالو صاحب!
ایسی باتیں تو زباں سے نہ نکالو صاحب

ناظر۔ اوبے وقوف منہ زور! بیہ تقدیر پھرا۔۔۔ مانتا ہے بڑا کہیں کا امیر ہے۔

قباد۔ غریب امیر کا طعنہ۔ نخوت بھرے کلمے زبان پر نہ لانا۔ یہ عقل کی کوتاہی ہے نہیں تو

غریبی امیری جو دی ہے خدا نے
جو انسان ہے ایک دونوں کو جانے

ناظر۔ ایک تو آپ کی ہے شان بڑی
شان سے ہے کہیں زبان بڑی

قباد۔ جو امیر ہیں شان و شوکت نہیں رکھتے۔ جو تلی ہیں وہ چار پیسے کی عزت نہیں رکھتے۔ جو کوئی دوسروں کے عیب ظاہر کرے گا۔ قیامت میں ہو منہ کالا۔ دل جو کالا ہوگا۔

ناظر۔ بس خاموش!

امیر سعید۔ بیٹا! اپنی جان کی خیر مناؤ۔

ناظر۔ ارے وہ دیکھو۔ بادبان بھی ڈوب گیا۔ یہ تو تختہ بھی ٹوٹ گیا۔ واہ رے قسمت کی خوبی!

دیکھو دیکھو دلبر! انور بہتا جارہا ہے۔

قباد۔ ہو ہو ہو۔ وہ دیکھو بجلی آرہی ہے۔ ہائے ہائے! دلبر کیسے گھبرا رہی ہے۔

امیر سعید۔ ارے کوئی بچاؤ۔

قباد۔ آہاہا! وہ انور نے ہمت مردانہ دکھائی۔ ہمیں بھی بچایا اور دلبر کی بھی جان بچائی۔ کودو۔ کودو۔

(دو چار آدمیوں کا کود پڑنا)

نادر۔ ہو بھائی! (بے ہوش ہو جاتی ہے)

باب پہلا۔

پردہ چوتھا

مکان نمبر سلا

(گوہر کا آنا)

گانا

سیاں دوشن کی پیاسی نراسی توری
اسی بھی موری جان۔ سیاں ملن کی تھی آس جدائی
یہ آن پڑی ہے۔ بیتے برسن۔ سماں برسے کی گھڑی ہے
ہو رہتم کس طرح سے اے غنچۂ دہن
اشتیاقے کہ بدیدار تو دارد دل من
غم دلدار میں اب دل کہیں لگتا ہی نہیں
نہ خوش آتا ہے مجھے گھر نہ بیاباں نہ چمن

سیاں اے مورے سیاں پڑوں میں پیاں۔ لوں بلیاں۔ میاں ریحان۔ بی بی! ایک رنگیلا۔ نوکیلا۔ سجیلا آیا ہے۔ اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

گوہر۔ رنگیلا۔ نوکیلا۔ سجیلا کون ہے؟

ریحان۔ یہ میں کیا جانوں۔

گوہر۔ اس کا نام؟

ریحان۔ نام تو میں نے دریافت نہیں کیا۔

گوہر۔ اچھا۔ کچھ اس کا حلیہ بتاؤ۔

گانا

وا کے بال گھونگھر والے۔ جیسے بس بھرے۔ بسیر کالے۔
پُر نور ہے پیشانی۔ او نینا جادو ڈار سے
وا کے سخن سازی نگاہ بازی ہے تو دے دلستانی میں
وا کے مونچھوں پہ بل۔ مغرور ہیں جوشِ جوانی میں
پیاری پیاری ایسی صورت پائی
خدا کی قسم میرے دل کو بے بھائی
اس لئے پاس تمہارے آئی
نا جانو بی بی ہو یا باد ہوائی
گر آپ کا حکم پاؤں سر آنکھوں سے اب میں جاؤں۔
یہاں انہیں بلا کر لاؤں اظہار کیا بس وا کے۔۔۔۔۔

گوہر۔ ہاں جا ناظر ہوگا۔ بھیج دے۔

(ناظر آتا ہے)

ناظر! کیسے آیا ہے۔ اور کیوں آیا ہے؟

ناظر۔ انسان کی ہمدردی انسان کو فرض ہے۔ کیوں گوہر؟ تیرا چہرہ آج کیوں اس قدر زرد ہے؟

گوہر۔ ہاں ذرہ رات کو سوئی نہ تھی۔

ناظر۔ (سائڈ میں) سفید جھوٹ۔ (ظاہر ہو کر) سوئی نہ تھی۔ ایسی بات تو کوئی نہ تھی۔

گوہر۔ کیا کہوں۔ موئی نیند ہی نہیں آئی۔

ناظر۔ آئی ہی نہیں چاہیئے۔

جس کا دل بیکل ہوا ہو اس کو کب آتی ہے نیند
کروٹیں لیتے ہی لیتے صاف اُڑ جاتی ہے نیند

گوہر۔ خیر اب تو کس لئے آیا ہے؟

ناظر۔ ایک نیک کام کرنے۔

گوہر۔ یعنی؟

ناظر۔ تجھے معلوم ہے کہ اس روز اس لڑکی نے دودھ کا پیالہ دیا اور اسے زہر مار کیا تھا۔ وہ دودھ کا پیالہ بلکہ انور کو محبت کا پیغام دیا تھا۔

گوہر۔ ذرہ مفصل کہہ سُنا۔ تجھے میرے اسی سر کی قسم!

ناظر۔ (سائڈمیں) ابی اڈسے تو لگی ہے۔ (ظاہرا) بس انور کو تیری پروا ہی نہیں ہے۔

گوہر۔ کیا انور میرا نہیں؟

ناظر۔ او نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ نہ وہ تیرا تھا۔ اور نہ وہ تیرا ہوگا۔

گوہر۔ افسوس!

(بے ہوش ہوکر گر جانا۔ ناظر کا اسے سنبھالنا)

ناظر۔ سنبھل گوہر سنبھل۔ اگر تجھ سے ہوسکے تو اس کا انتقام لے۔

گوہر۔ ہیں۔ انتقام۔

ناظر۔ ہاں انتقام۔

گوہر۔ انتقام!۔ ایک عورت کی ذات سے یہ کام ہونا ذرہ مشکل ہے۔ اس کام میں کسی بہادر مرد کی ضرورت ہے۔

ناظر۔ بھلا جس نے اتنی خبر آپ تک پہنچائی۔ کیا وہ تمہارا مددگار نہ ہوگا؟

گوہر۔ ضرور ہوگا۔ مگر وہ کون ہے!

ناظر۔ حاضر ہے یہ غلام۔

اس قدر فطرت ہے مجھ میں آگ دریا میں لگاؤں
اور زمین و آسمان کے دونوں قلابے ملاؤں

یہاں سے چلو۔ ذرہ علیحدہ بیٹھ کر رنگ جمائیں۔ اور آئندہ کے لئے کچھ غور و فکر کے میدان میں خیالی گھوڑے دوڑائیں۔

گوہر۔ بہایا خون جس نے میری حسرتوں کا
بہاؤں خون میں بھی اس کی آرزوؤں کا

ناظر اور گوہر کا جانا۔ خیر سلا کا گاتے ہوئے داخل ہونا۔

گانا

خیر سلا۔ او محبت کیا ہے جب سے اس دل کو رام تیرا
بن کر تیرے پجاری جپتے ہیں نام تیرا!
ہم لکھ چکے ہیں خط میں لکھنا تھا جو کچھ
اے جذبۂ محبت آگے ہے کام تیرا
وہ منتظر ہوں بھلائے نکہت دل پر بھی
مجھے گمان یہ ہوتا ہے نامہ بر آیا
جب تک پانی پریم کی بانچھ نہ لیں گے نین
کا ہو بدرہ ناہیں آئیگو تب لگ من کو چین ادبت
ہائے کم بخت اب تک نہ آیا کتنا راستہ دکھایا

(گوہر کا آنا)

گوہر۔ بھائی جان آپ کے نام یہ خط آیا ہے۔

خیر سلا۔ خط! یہی خط؟ مگر یہ کس کا ہے؟

گوہر۔ ایک لڑکا دے گیا ہے۔ آپ کے نام کا ہے۔ اسی لئے میں نے کھولا ہے۔

خیر سلا۔ (خط کو دیکھ کر) ہوں۔ یہ تو چچا کا خط ہے۔ اس کے پڑھنے میں کیا اندیشہ ہے۔

(خیر سلا کا خط کو پڑھنا)

خیر سلا۔ "برخوردار گور چشم"!

گوہر۔ گور چشم یا نور چشم؟

خیر سلا۔ ہاں ہاں نون کا مرکز بن گیا۔ اور یہاں نقطے کا پیچ بن گیا۔ "بعد دعا کے مغموم ہو"!

گوہر۔ بعد دعا کے مغموم ہو؟

خیر سلا۔ ہاں ہاں۔ دعا کے بعد تو مغموم ہونا ہی پڑتا ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے۔

گوہر۔ اے بھائی! بعد دعا کے معلوم ہو۔ شاید چچا نے ٹوٹے قلم سے لکھا ہے۔

خیر سلا۔ ادا ادا! کیا چچا بھی ٹوٹے قلم سے لکھتے ہیں۔

گوہر۔ اور کیا بھتیجے بھی پھوٹی آنکھ سے پڑھتے ہیں۔ تم بھیڑیئے کے علاوہ سانڈ کا بچہ بھی بنتے ہو۔

خیر سلا۔ ایں سانڈ کا بچہ۔ سانڈ کا بچہ۔ سانڈ کا بچہ میں کیسے بنتا ہوں؟

گوہر۔ بیڑی کے علاوہ گانجہ بھی پیتے ہو۔

خیر سلا۔ اور میں تمہارے واسطے کھانے کو جوتا بھی لاؤں گا۔ ہیں پان کے ساتھ کھانے کو جوتا بھی لائیں گے۔ وہ جوتا بھی لائیں گے تو خود جوت کھا کر جائیں گے۔

گوہر۔ ارے بھائی تم تو دال کی کھال اور کھال کا جال پڑھتے ہو میں تمہارے واسطے پان میں کھانے کو چونا بھی لاؤں گا اور میں آج دو بجے تمہارے پاس آؤں گا۔

خیر سلا۔ میں دو بجے تمہارے پاس آؤں گا؟ خیر مدعا آئے ہیں۔ یا آجائیں گے

(گوہر چلی جاتی ہے)

(بابک آتا ہے)

بابک۔ جی نہیں۔ ابھی تو راستے میں ہوں۔

خیر سلا۔ جواب لایا؟

بابک۔ جی ہاں۔

خیر سلا۔ تو لا شتاب دے۔ ناحق مجھ کو نہ یوں اضطراب دے۔

بابک۔ دیتا ہوں۔ (سائڈمیں) بھٹی بھٹی میں تو بھول گیا کہ کونسی جیب میں ہے۔ خیر میں بھی کوئی اڑنگا لگاتا ہوں جو ہاتھ میں آتا ہے۔ وہی چیز پکڑاتا ہوں لیجئے جناب!

(بابک کا خط دے کر تیر ہو جانا اور خیر سلا کا خط پڑھنا)

خیر سلا۔ اے پیاری۔ گل عذار۔ گل اندام۔ میری حسینانِ زمانہ۔ سلام۔

(ہنستا ہے)

آہاہا! اللہ ری بے خودی۔ جلدی میں میرے نام کے بدلے اپنا نام لکھ دیا ہیں! یہ کیا؟ راقم آپ کا غلام خیر سلا۔ جان نثار۔ طرح دار۔ استغفراللہ۔ یہ تو میرا ہی خط ہے اُف یہ نامہربانی۔ یہ ناقدردانی۔

اس کو منظور ستانا جو ہمارا ہوگا
تو کیا یہ زمانہ نہ ہمارا ہوگا

اُف!

شعلہ بھڑک اٹھا دلِ پیچ و تاب میں
واپس یہ خط کیا میرے خط کے جواب میں

بکیگ۔ او بابک اکدھر گیا؟

(بابک آتا ہے)

بابک۔ الٰہی! کیا ماجرا ہو گیا۔

خیر سلا۔ خدا داد سے کچھ بولی تھی؟

بابک۔ جی بس یہی کہ . . .

خیر سلا۔ اچھا اور ہاں۔ آج کرامت چچا آنے والے ہیں۔ اس لئے اچھی طرح خاطر کرنا۔ اور یہ بھی یاد رکھنا۔ کہ مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے۔ کہ ایک عمل دار مجھے گرفتار کرنے آئے گا اس کو خوب مارنا۔ بنے تو اٹاری سے نیچے اتار دینا۔ اچھا! اور میں اس کے سامنے والے کمرے میں ہوں۔

(خیر سلا کا جانا۔ عمل دار کا آنا)

عمل دار۔ ہائے یہاں کوئی نہیں۔ بس اللہ اور خیر سلا۔ اب کیا کروں۔ یہ ہتھکڑی اپنے ہاتھ میں بھر دوں۔ چچا کے آنے کی خبر سن کر تو چچا کا بھیس بنایا۔ اے لو کوئی آتا ہے۔

(بابک آتا ہے)

بابک۔ آہا ہا! آ گئے۔ خیر سلا کے چچا۔ وہ اپنے باپ۔ آداب عرض ہے۔

عمل دار۔ ابے تو کون ہے؟

بابک۔ جی آپ کا خدمت گار۔

عمل دار۔ اچھا خیر سلا سے جا کر کہو۔ کہ تمہارے چچا جان تشریف لائے ہیں۔ جان گود شفقت میں بینے کو بے قرار ہے۔ (بخود) ہتھکڑی لئے ہوئے تیار ہے۔

بابک۔ وہ سامنے کے کمرے میں تشریف لے چلئے۔

(دونوں کا جانا۔ کرامت اللہ کا آنا)

کرامت اللہ۔ خوش نصیبی مجھے یہاں لائی۔ کہ بھتیجے کی خدا نے صورت دکھائی۔ ہیں ابھی تک کوئی نہیں آیا۔ کیا انہیں خط نہیں ملا؟

(بابک آتا ہے)

بابک۔ ہیں۔ یہ کیا حساب ہے؟ جدھر دیکھتا ہوں۔ چچا ہی چچا ہیں۔ شاید یہی وہ عمل دار ہے۔ آف۔ تف۔ آف۔ تف۔

کرامت اللہ۔ تو کون ہے؟

بابک۔ جناب کا یہاں کیسے آنا ہوا؟

کرامت۔ ابھی تک تو نے مجھے نہیں پہچانا۔

بابک۔ ارے جانتا ہوں۔ تب ہی تو عزت کرتا ہوں۔ اگر آپ دو گھڑی پیشتر آتے تو خیر سلا کے اور میرے بھی چچا تھے۔ یہاں تو جو پہلے آتا ہے۔ وہی چچا کہلاتا ہے واللہ آپ کی تو ڈاڑھی . . . .

کرامت۔ یہ دہقانی نوکر کہاں سے رکھا ہے۔

بابک۔ دہقانی! ارے تو بڑا اُلّو اور اُلّو کا پٹھا ہے۔

کرامت۔ ارے بے کون؟ کیا مجھے نہیں پہچانتا۔ میں خیر سلا کا چچا صاحب خانہ کرامت اللہ۔

بابک۔ سب غلط۔ بالکل جھوٹ۔ چچا جان اس بھیس سے تو پہچان میں آ گئے ہو جو گیا بھیس بنا کر آؤ گے تو برابر پہچانے نہ جاؤ گے۔

کرامت۔ بھائی! اپنے آقا کو بلا لا۔

بابک۔ چل چل یہاں سے۔ تمہیں تو باری میں سے پھینک دینے کا میرے آقا کا حکم ہے۔

کرامت۔ تمک بے رحم کا اس نے کھایا۔ ابھی کا اثنا اس میں آیا۔ تقدیر نے لا کر پھنسایا۔

بابک۔ بھاگ یہاں سے۔ (مارنا)

کرامت۔ بچا خدایا۔ بچا خدایا۔ اس نے تو میرے سر کا کچومر بنا دیا۔

خیر سلا۔ بابک۔ چچا کہاں ہے؟

بابک۔ وہ سامنے کے کمرے میں ہیں۔ بہت بڑا کام کیا ہے۔ اس کام میں بندہ انعام کا طلب گار ہے۔

خیر سلا۔ میں باہر سے دیکھتا ہوں۔ (جھانک کر دیکھنا) ارے او بابک۔ تیرا منہ ہو کالا۔ سانپ کو آستین میں پالا یہ تو وہی عمل دار ہے وہ ڈالا۔

بابک۔ الٰہی۔ اچھا ہوا گھوٹالا۔ پیٹنا تھا اسے ہر پیچ میں بچارے چچا کی مرمت بنا دی۔

خیر سلا۔ بھاگ شاید وہ آیا۔ (بھاگنا)

عمل دار۔ بہت تیری دُم میں گیلا تمدا۔ دل لگی تو خوب رہی۔ مگر خالی کم بخت آخر میں بھاگ گیا۔

باب پہلا۔

پردہ پانچواں

مکان امیر سعید

(ناظر اور امیر کا آنا)

امیر سعید۔ ناظر! اگر تیری داستان سچی نہ ہوگی۔ تو تن میں نہ جان ہوگی۔ منہ میں نہ زبان ہوگی۔

ناظر۔ جو ایسی بات ہوگی۔ ہرگز بیان نہ ہوگی۔ تقصیر مجھ سے قبلہ۔ ہاں مہربانی نہ ہوگی ——

امیر سعید۔ چھریاں چھپی ہوئی ہیں۔ تیری مہربانیوں میں۔ اس گھر میں تو نہ ہوتا قصائیوں میں۔

ناظر۔ آپ تو یقین نہ لاتے تھے مگر سچے کو غیبی شہادت قدرت بہم پہنچاتی ہے۔ وہ دیکھیئے سامنے سے انور اور اس کی بیوی دلبر بھی آتی ہے۔ مگر خدا کے لئے خفگی نہ کیجیئے گا۔

امیر سعید۔ یا غفور الرحیم! جو میں نے سنا ہے۔ وہ غلط ہی ہو جائے۔ یا خواب کی مثال ہو جائے۔ نہیں تو یہ گھر میرا ہو جائے گا بے چراغ۔ گھڑی کی گھڑی میں اُجڑ جائے گا باغ۔

(ناظر کا جانا۔ انور اور دلبر کا آنا)

انور۔ آداب عرض ہے قبلہ بزرگوار!

امیر سعید۔ انور! یہ آداب اور کورنش کا فاتحہ تو کسی فرشتہ کے سپرد کر۔ وہ اس کا ثواب تیرے باپ کی روح کو پہنچائے گا۔

انور۔ بیٹی!

امیر سعید۔ یہ کون ہے؟

انور۔ ایک موتی جو پڑا تھا۔ وہ میں نے اٹھا لیا۔ اب آپ کی دعا سے گھل

جائے گا۔ اور اس کا حال بھی کھل جائے گا۔

دلبر۔ نہیں قبلہ میں موتی کہاں سے ہوتی؟ ایک لوہے کی صورت سلاخ تھی۔ ان قدموں کی بدولت پارس پتھری کا سنگ ہوگا۔ تو بے شک سنہری رنگ ہوگا۔

امیر سعید۔ دور ہو میرے گھر کا چراغ گل کرنے والی عورت۔ دور ہو (انور سے) انور! تو میری باتوں کا جواب دے گا؟

انور۔ اگر ارشاد ہوگا۔

امیر سعید۔ کس طرح؟

انور۔ جس طرح قیامت کے روز خدا کے سامنے جواب دوں گا۔

امیر سعید۔ کیا تو خاندان کی عزت ڈبا چکا؟

انور۔ نہ ایسا ہوا ہے۔ نہ انشاءاللہ ایسا ہوگا۔

امیر سعید۔ پتھر کو پیتل کے ساتھ پرو چکا؟

انور۔ جی البتہ پتھر کو لال کے ساتھ پرو چکا۔

امیر سعید۔ کیا مجھ کو مردہ جان کر؟

انور۔ جی نہیں بلکہ آپ ہی کا بھروسہ مان کر۔

امیر سعید۔ اچھا تو نہ گھبرا۔ لڑکی! تو بھی کوئی اندیشہ دل میں نہ لا۔ زیور۔ روپیہ مال و متاع اور دنیا کے سامان سے تجھے جو کچھ درکار ہو۔ ابھی لے جا میرے یہاں سے۔ اور تو اسے چھوڑ اور گوہر کے ساتھ شادی کرنے کو تیار ہوجا۔

انور۔ نہیں ابا! ایک بھولی لڑکی کو زبان دے کر پھرنا خدا سے پھرنا ہے۔

دلبر۔۔۔۔
غرض سیپی کو کیا دریا کے ساماں سے
بجھے گی پیاس اسی کی حرف ابر نیساں سے

امیر سعید۔ قندِ سیاہ بھول گیا اپنی ذات کو
ہم مرتبہ سمجھنے لگا ہے۔ نبات کو

دلبر۔ تھا قند سیاہ بھی گنے سے اور نبات بھی گنے سے

امیر سعید۔ بھلا کمبل کا کیسے زیب ہو پیوندِ شالوں میں

دلبر۔ آپ ہی انصاف کیجئے اپنے ہی مضمون سے
شال کمبل ایک ہیں، دونوں بنے ہیں اون سے

امیر سعید۔ پڑ نہیں سکتے امیروں کے گلے میں ہار لوہے کے
ہیں سارے تو چلے۔ سب ولولے بیکار لوہے کے

دلبر۔ نہیں زیب گلو ہوتے امیروں کے گلے میں ہار لوہے کے
اگر ہوتے نہیں زرگر کے پاس اوزار لوہے کے

امیر سعید۔ بجا ہے آہن میں رشتہ کہیں اسٹیل کا۔

دلبر۔ تو کیا غریب چربچوں کا پانی پیتے ہیں۔ اور امیر آبِ زم زم۔

امیر سعید۔ کوئی غریب امیروں سے برابر نہ ہوگا۔ نالہ ہرگز سمندر کے برابر نہ ہوگا۔

دلبر۔ جہر سے اس کے جو کم تر ہے وہ برتر ہوگا
قطرہ ملتے ہی سمندر سے سمندر ہوگا

امیر سعید۔ شریف گھرانے میں پہلے دلہن کے گھر کو دیکھتے ہیں۔

انور۔ گہر کو جوہری صراف زر کو دیکھتے ہیں
بشر کو دیکھنے والے بشر کو دیکھتے ہیں

امیر سعید۔ او بے حیا منہ زور احمق بات کو کاٹتا ہے۔ اڑاتا ہے اور آنکھوں میں خون اتارتا ہے۔ آنکھوں کے آگے سے نکل جا۔

ڈراپ سین

روشن کتابوں کا ایک روشن سلسلہ

مُسلم شخصیات کا

اِنسائیکلوپیڈیا

(تاریخِ اسلام کے آئینے میں)

ہر ماہ کی دسؔ تاریخ کو دُنیا بھر کی عظیم اور نامور

مُسلم شخصیات

کے

حالاتِ زندگی اور انقلاب آفریں کارناموں

کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے!

اس روشن سلسلے کی

آٹھ اقساط

چُھپ چُکی ہیں!

قیمت ہر قسط -/۳ روپے۔ اپنے قریبی بکسٹال/ہاکر سے طلب کیجیے!

مطبوعات شیخ غلام علی

ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور